www.shibliinternational.com April 2019

ماہنامہ صدائے شبلی حیدرآباد

Urdu Monthly **SADA E SHIBLI** Hyderabad

Vol-2, Issue-14

ایڈیٹر مولانا ڈاکٹر محمد حامد ہلال اعظمی

10/- روپے

اپریل April :2019

علمی، ادبی، سائنسی، مذہبی، سماجی اور معلوماتی شاہکار

جلد Vol:2 ۔شمارہ: Issue14

ماہنامہ حیدرآباد

صدائے شبلی

مدیر: ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی

نائب مدیران: ڈاکٹر سراج احمد انصاری ☆ ڈاکٹر عبدالقدوس ☆ ابوہریرہ یوسفی

مجلس مشاورت:

پروفیسر اشتیاق احمد ظلی، استاذ الاساتذہ حضرت رحمٰن جامی
پروفیسر مظفر علی شہہ میری، پروفیسر محسن عثمانی ندوی
پروفیسر ابوالکلام پروفیسر شاہد نوخیز اعظمی،
ڈاکٹر محمد الیاس اعظمی، مولانا ارشاد الحق مدنی،
مولانا محمد مساعد ہلال احیائی، اعجاز علی قریشی ایڈوکیٹ
محمد سلمان انجینئر

مجلس ادارت:

ڈاکٹر محمد رفیق، ڈاکٹر حمران احمد، ڈاکٹر جاوید کمال
ڈاکٹر مختار احمد فردین، ڈاکٹر غوثیہ بانو، ڈاکٹر سید امام
حبیب قادری، ڈاکٹر سمیہ تمکین، ڈاکٹر فاروق احمد بھٹ
ڈاکٹر محمد زبیر، ڈاکٹر مصطفیٰ خان، ڈاکٹر محمد فضیل ندوی،
ڈاکٹر مصلح الدین نظامی، ابوہریرہ ایوبی، محسن خان

قیمت فی شمارہ: 20
سالانہ: 220 - بیرونی ممالک: 50/ امریکی ڈالر
خصوصی تعاون: 1000

MOHD MUHAMID HILAL
A/c: 52023475202 Bank: SBI
Ifsc: SBIN0020413
Micr: 500002311 Branch: Dabeerpura Hyd

ماہنامہ "صدائے شبلی" حیدرآباد میں مقالہ نگاران سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

ہر طرح کی قانونی چارہ جوئی صرف حیدرآباد کی عدالت میں ہوگی

محمد محامد ہلال (اونر، پبلشر، پرنٹر، ایڈیٹر) نے دائرہ الیکٹرک پریس میں چھپوا کر حیدرآباد تلنگانہ سے شائع کیا

خط و کتابت کا پتہ

Email: sadaeshibli@gmail.com

Mob: 9392533661 - 8317692718

MOHD MUHAMID HILAL #17-6-352, B1, 2nd Floor,Bafana Complex,
Near Asfya Masjid Dabirpura Road, Purani Haveli,Hyderabad- 500023. T.S

فہرست مضامین

۱	اپنی باتیں (اداریہ)	ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی	۵
۲	حمد باری تعالیٰ/نعت رسولؐ	قاری ولی محمد زاہد ہریانوی	۶
۳	عباداتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم	علامہ شبلی نعمانیؒ	۷
۴	دیباچوں میں ذکر شبلی کا مطالعہ (قسط:۱۱)	ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی	۸
۵	ملت کے مسائل کا حل قرآن کی روشنی میں	مولوی صفوۃ الرحمٰن	۱۲
۶	فضائل وخصوصیات قرآن مجید	ڈاکٹر مفتیہ رقیہ شکیل خان	۱۴
۷	دل نواز ادیب وسائنس نگار ڈاکٹر ایم ایم شیخ	مولانا انصار احمد معروفی	۱۶
۸	اردو سوانح نگاری کے ارتقاء میں علامہ شبلی نعمانی کا حصہ	ڈاکٹر محمد انوار الدین	۲۰
۹	نیا قانون ایک مطالعہ	ظفر الاسلام	۲۳
۱۰	علمی ترجمہ ایک تعارف	محمد طارق	۲۶
۱۱	قیدِ حیات وبندِ غم	سیدہ تبسم منظور	۲۸
۱۲	جنگ (نظم)	نیاز جیراجپوری	۲۹
۱۳	اردو افسانہ اور محشر عابدی (قسط۲)	ڈاکٹر رفیعہ شمیم	۳۰
۱۴	اقبال فہمی	احمد نور عینی	۳۳
۱۵	بول جو کچھ کہنا ہے کہہ لے	آبیناز جان علی	۳۴
۱۶	غزل	علینا عترت	۳۶
۱۷	حضرت علامہ الحاج سید شاہ اعظم علی صوفی ثانی قادریؒ	حکیم سید شاہ محمد خیر الدین قادری، صوفی	۳۷
۱۸	زندگی اور سیاست	شمیم مشتاق	۳۸
۱۹	افکار وخواطر (تبصرہ)	ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی	۴۱

ماہنامہ ''صدائے شبلی'' کے خصوصی معاونین

ابو سفیان اعظمی، مقیم حال ممبئی......الحاج **محمد منیر الدین عرف ولی**، آغا پورہ حیدر آباد
ڈاکٹر سید **جلیل حسین** ایم ڈی (علیگ) ٹولی چوکی حیدر آباد......الحاج **محمد عبد الستار** سیکھ ولیج سکندر آباد حیدر آباد
علی میاں احمد پٹھان رائے گڑھ (مہاراشٹر)......**علی احمد عبد اللہ** کونچالی، رائے گڑھ (مہاراشٹر)
الحاج **رئیس احمد اقبال** انجینئر، سیکھ ولیج سکندر آباد حیدر آباد......**محمد عبد الماجد** ایڈوکیٹ، سکندر آباد، حیدر آباد
جناب قاضی **فیض الدین**، ایرتوڑیل، مہاڈ، رائے گڑھ مہاراشٹرا۔ ڈاکٹر **شہباز احمد**، پروفیسر گورنمنٹ نظامیہ طبی کالج
چار مینار، حیدر آباد......مولانا **محمد عبد القادر سعود** نائس جوس سینٹر سکندر آباد، حیدر آباد۔
الحاج **محمد قمر الدین**، نبیل کالونی بارکس حیدر آباد

اداریہ

اپنی باتیں

ملک میں لوک سبھا کا الیکشن ہے۔ الیکشن میں یہ دیکھا جا رہا ہے کہ پولنگ کا فیصد کم ہو رہا ہے. اور ووٹروں کے نام ووٹر لسٹ سے غائب ہیں۔ ای وی ایم مشین پر سوالیہ نشان لگایا جا رہا ہے؟ ہر ہندوستانی کا جمہوری مذہبی فریضہ بنتا ہے کہ وہ اپنے ووٹ کا استعمال ضرور کریں۔ گورنمنٹ کی طرف سے اس دن تعطیل ہوتی ہے اور ووٹ دینے کے لیے پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا کے ذریعے ترغیب دلائی جاتی ہے، اس وجہ سے ادارہ تمام ہندوستانیوں ووٹروں سے یہ اپیل کرتا ہے کہ وہ اپنے ووٹ کا استعمال ضرور کریں۔ حکومت کی طرف سے الیکشن سے قبل یہ اعلان ہوتا ہے کہ جن کی عمر اٹھارہ سال کی ہو چکی ہے وہ اپنا نام ووٹر لسٹ میں اندراج کرائیں، نام اور پتے کو درست کرا لیں۔ ووٹر لسٹ میں نام نہیں ہے تو دوبارہ اندراج کرائیں۔ اس اعلان کے بعد ہوتا ہے کہ مستحق ووٹ سستی برتتا ہے، علاقے کے دانشمند اور سیاستدان عدم توجہی اختیار کرتے ہیں، بعض جگہوں پر ووٹر کو تعصب کی بھینٹ چڑھا دیا جاتا ہے، بس اتنا ہی کہا جا سکتا ہے کہ اپنی مدد آپ پیدا کر۔

ای وی ایم مشین پر ہر الیکشن کے بعد سوالیہ نشان لگتا ہے، اس کے لیے الیکشن کمیشن سے گزارش ہے کہ کچھ ایسا طریقہ استعمال کریں کہ سوال قائم کرنے کا کوئی موقع نہ ملے، بلکہ یہ کہنے پر مجبور ہو جائیں کہ ای وی ایم میں کوئی چھیڑ چھاڑ نہیں ہوئی ہے۔ یہ ہمارے ملک کی جمہوریت کو مضبوط کرنے کا مشحکم قدم ہوگا۔ اس الیکشن کی گہما گہمی میں امیدوار اور ووٹر میڈیا کی قیاس آرائیوں سے اور ان کے سروے سے کشمکش میں مبتلا ہو جاتے ہیں، ان پر بندش لگانے کی ضرورت ہے، میڈیا عوام کے سامنے غیر جانبداری سے کام لے تو بہتر ہے، ورنہ اس جمہوریت کے چوتھے ستون کو اس وقت ملک کی بیشتر عوام بیمار سمجھ رہی ہے۔

گذشتہ 15 مارچ کو نیوزی لینڈ میں پچاس مصلیوں کی شہادت کا جو سانحہ پیش آیا، اس سے صرف عالم اسلام ہی مغموم نہیں ہوا، بلکہ پوری دنیا کا ہر وہ شخص جس کے دل میں انسانیت نام کی چیز ہے وہ تڑپ اٹھا اور یہ کہنے پر مجبور ہوا کہ دہشت گردی کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔ بلا لحاظ مذہب وملت قوم وملک نے پرزور لفظوں میں مذمت کی اور نیوزی لینڈ کی حکومت بالخصوص خاتون وزیر اعظم نے جس طرح اس سانحہ کے متاثرین سے انسانی ہمدردی کا اظہار کیا، اس سے نہ صرف ان کے حسن انتظام بلکہ ان کی انسانیت نوازی کا بین ثبوت بھی ہوتا ہے۔ ادارہ خاتون وزیر اعظم کی جرأت اور حسن انتظام کو سلام پیش کرتا ہے، نیز شہیدوں کے بلند درجات، پسماندگان اور متعلقین کے لیے بارگاہ ایزدی میں دعا گو ہے کہ اللہ ان کو صبر جمیل اور نعم البدل عطا فرمائے آمین۔

قتل حسین اصل میں مرگ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

معزز قارئین.. ماہنامہ صدائے شبلی حیدرآباد کے تمام شمارے ہماری ویب سائٹ www.shibliinternational.com پر موجود ہیں آپ ان سے استفادہ کر سکتے ہیں۔

مولانا ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی

قاری ولی محمد زاہدؔ، ہریانوی۔حیدرآباد

حمد باریٰ تعالیٰ

فرشِ زمیں کے مالک، اے آسماں کے مالک
حمد و ثنا ہو تیری، اے دوجہاں کے مالک
ہر سمت ہے جہاں میں ، تیری ہی حکمرانی
عالم تمام تیرا، کون و مکاں کے مالک
کچھ بھی چھپا نہیں ہے، تیری نظر سے مولیٰ
سب کچھ تُو جانتا ہے، رازِ نہاں کے مالک
ہوتی نہ یہ زمیں اور، ہوتے نہ آسماں بھی
''کہتا نہ کُن اگر تُو، اے کُن فکاں کے مالک''
کبھی امن کے تھے خوگر، ترے دیں کے پاسباں بھی
وہی اب بنے ہوئے ہیں، آتش فشاں کے مالک
ڈوبے بہار میں تھے، کیا خوب تھے وہ دن بھی
اب ہم بنے ہوئے ہیں، دورِ خزاں کے مالک
اُن کو تو زیر کردے ،تاکہ غرور ٹوٹے
جو ،اب بنے ہوئے ہیں سُود و زیاں کے مالک
صحرا ہو یا چمن ہو، گرمی سے تپ رہے ہیں
کر رحمتوں کی بارش اے آسماں کے مالک
جو پھول بے مہک ہیں، میرے چمن کے یارب
خوشبو اُنہیں عطا کر، اے گُلستاں کے مالک
اپنی امان میں رکھ، بندوں کو خاص اپنے
فریاد ہے یہ تجھ سے امن و اماں کے مالک
پہنچا کرم سے اپنے، منزل پہ اپنی ہم کو
محفوظ رہزنوں سے ، اے کارواں کے مالک
تازہ بہار آئے، گلشن میں دیں کے یارب
زاہدؔ کی یہ دعا ہے ، اے گُلستاں کے مالک

نعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

کرتے تھے جب جہاں میں سبھی تیرگی کی بات
آکر نبیؐ نے کی ہے، یہاں روشنی کی بات
ایسا لگے ہے جیسے کہ ، ہے آج ہی کی بات
حالانکہ ہوگئی ہے یہ، چودہ صدی کی بات
وحدت کا درس آکے، دیا ہے حضورؐ نے
ورنہ ہراک زباں پہ تھی ، شرکِ جلی کی بات
سُنتا نبیؐ کی بات جو، کہتا تھا برملا
لگتی نہیں ہے اب مجھے، اچھی کسی کی بات
سن کر نجاشی بول اُٹھا قرآن پاک کو
ہرگز نہیں ہے یہ تو کسی آدمی کی بات
واقف نہ تھے رُموز سے، ہم بھی حیات کے
سمجھائی مصطفےٰؐ نے، ہمیں زندگی کی بات
اس کو سمجھ کے پڑھنے کی کوشش تو کیجئے
''قرآں میں جا بہ جا ہے ، نبیؐ آگہی کی بات''
نسبت تھی مصطفےٰؐ سے تو، دنیا نے مان لی
صدیقؓ اور عمرؓ کی و عثمانؓ علیؓ کی بات
یک لخت سارے غم مرے، کافُور ہوگئے
آئی زباں پہ جب مرے، پیارے نبیؐ کی بات
آکر نبیؐ کے شہر میں، دل کو سکوں ملا
اب کیجئے نہ مجھ سے، کبھی واپسی کی بات
دونوں جہاں میں ہوگیا، زاہدؔ وہ سرخرو
جس آدمی نے مان لی، میرے نبیؐ کی بات

عباداتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

علامہ شبلی نعمانیؒ

غزوۂ احزاب میں آپؐ خود اپنے دستِ مبارک سے خندق کھودنے میں مصروف تھے اور لبِ مبارک پر یہ الفاظ جاری تھے:

اللھم لاخیر الاخیر الأخرۃ فبارک فی الانصار والمھاجرۃ.

خدایا بھلائی صرف آخرت کی بھلائی ہے، انصار اور مہاجرین کو برکت عطا کر۔

دشمن اس شدت سے حملہ پر حملہ کر رہے تھے کہ کسی مسلمان کا اپنی جگہ سے ہٹنا ممکن نہ تھا اور محاصرہ ۲۰ یا ۲۲ دن تک قائم رہا لیکن اس مدت میں صرف ایک یا زیادہ سے زیادہ چار وقت کی نمازیں قضا ہوئیں، ایک دن عصر کے وقت دشمنوں نے اس زور کا حملہ کیا کہ ایک لمحہ کے لیے بھی مہلت نہ مل سکی، آخر عصر کا وقت ختم ہوگیا، آپ ؐ کو سخت رنج ہوا، حملہ رکنے پر سب سے پہلے باجماعت نماز ادا کی۔

غزوۂ خیبر میں جب آپؐ شہر کے قریب پہنچے تو زبان مبارک سے یہ الفاظ نکلے اللہ اکبر خربت خیبر، اللہ اکبر ویران ہو چکا، عمارتیں نظر آئیں تو صحابہؓ سے ارشاد کیا کہ ٹھہر جاؤ، پھر یہ دعا مانگی:

اللھم انا نسئلک خیر ھذہ القریۃ وخیر اھلھا وخیر مافیھا ونعوذ بک من شرھا وشر اھلھا وشر مافیھا۔ (ابن ہشام ج۲ ص۲۲۳)

اے خدا ہم تجھ سے اس آبادی کی، اس آبادی والوں کی، اس آبادی کی چیزوں کی بھلائی چاہتے ہیں اور ان سب کی برائیوں سے تیری پناہ کے طلب گار ہیں۔

حُنین کے معرکہ میں بارہ ہزار فوج آپؐ کے ساتھ تھی لیکن اول ہی حملہ میں اس کے پاؤں اکھڑ گئے، اس فوج کا سپہ سالار اگر ان ہی آدمیوں کے بھروسہ پر میدان جنگ میں اترتا تو شاید وہ سب سے پہلے بھاگ کر اپنی جان بچاتا لیکن آپ جس قوت پر اعتماد تھا، آپ اس کی تنہائی میں بھی اسی طرح ناصر ومددگار سمجھتے تھے، جس طرح فوج ولشکر کے ساتھ، عین اس وقت جب دس ہزار قدرانداز تیروں کا مینہ برساتے ہوئے سیلاب کی طرح بڑھتے چلے آتے تھے اور آپؐ کے پہلو میں چند جاں نثاروں کے سوا کوئی اور باقی نہیں رہا تھا، آپؐ سواری سے اتر آئے اور فرمایا ''میں خدا کا بندہ اور پیغمبر ہوں'' پھر بارگاہِ الٰہی میں دست بہ دعا ہو کر نصرتِ موعودہ کی درخواست کی، دفعتاً ہوا کا رخ پلٹ گیا اور نسیم فتح علم اسلام کو لہرانے لگی، دس ہزار دشمن کے بے پناہ تیروں کو یکہ وتنہا مناجات وزاری کے سپر پر روکنے کی جرأت پیغمبروں کے سوا اور کسی سے ظاہر ہوسکتی ہے، اس مرقع کا سب سے مؤثر منظر غزوۂ بنی مصطلق میں نظر آتا ہے، سامنے دشمن پڑاؤ ڈالے پڑے ہیں اور غفلت کے منتظر ہیں کہ دفعتاً نماز کا وقت آجاتا ہے اور آپؐ امام بن کر آگے کھڑے ہو جاتے ہیں، صحابہؓ کی ایک جماعت مقتدی ہو کر نماز میں مصروف ہو جاتی ہے اور دوسری دشمنوں کا سامنا روک لیتی ہے، صلح حدیبیہ کے زمانہ میں اس سے بھی زیادہ خطرناک موقع پیش آیا، آنحضرت ﷺ مکہ کے پاس عسفان میں خیمہ زن تھے، قریش کے مشہور جنرل خالد بن ولید آپ پاس کی پہاڑیوں میں دشمنوں کی فوج کا ایک دستہ لیے ہوئے موقع کی تاک میں تھے، آخر قریش کی یہ رائے قرار پائی کہ مسلمان جب نماز کے لیے کھڑے ہوں تو عین اس وقت ان پر بے خبری میں حملہ کیا جائے،

............بقیہ، ص:۳۶/ پر

قسط:(۱۱) ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی۔ 9838573645

دیباچوں میں ذکر شبلی کا مطالعہ

سیرۃ النبیؐ کی چھٹی جلد اخلاقی تعلیمات پر مشتمل ہے، ۵۸۰ صفحات پر مشتمل یہ جلد سید صاحب کا بڑا کارنامہ ہے، اپنے موضوع پر یہ بے حد اہم کتاب ہے۔۱۹۱۴ء میں سید صاحب اپنے استاذ کی خواہش کے احترام میں اس عظیم الشان کام کی تکمیل میں مصروف ہوئے اور زندگی کا بڑا حصہ اسی سیرت نبویؐ اور استاذ کی خواہش کی تکمیل میں لگا دیا، اس حصہ کے دیباچہ کے اخیر میں وہ لکھتے ہیں:

''سلسلہ سیرت کے بانی حضرت الاستاذ علامہ شبلی نعمانیؒ کو مدت سے خواب میں نہیں دیکھا تھا، اس حصہ کے جب آخری ابواب زیر ترتیب تھے میں نے ان کو خواب میں دیکھا کہ ان کے سامنے اس کے بعض اجزا پڑے ہیں اور وہ اس کا کوئی صفحہ پڑھ رہے ہیں اور مسکرا رہے ہیں۔(رحمہ اللہ تعالی)

(سیرۃ النبیؐ ج ۶ ص ۴، اعظم گڑھ، طبع جدید ۲۰۰۳ء)

سیرت کی ساتویں جلد مولانا سید سلیمان ندوی کی وفات کے بعد ۱۹۸۰ء میں شائع ہوئی۔

۱۹۳۰ء میں سید صاحب نے یورپ کا سفر کیا، وہاں بزرگوں دوستوں اور احباب کے نام جو خطوط لکھے ان کا مجموعہ ''برید فرنگ'' کے نام سے شائع ہوا۔اس کا دیباچہ انھوں نے ''خطوط کا پس منظر'' کے عنوان سے لکھا ہے۔اس میں بھی علامہ شبلی کا ایک جگہ ذکر آیا ہے، ہندوستان کی سیاسیات میں علامہ کے ایک طویل مضمون نے انقلاب برپا کر دیا تھا، اس کے بارے میں سید صاحب لکھتے ہیں:

''ہندو بنگالیوں کے پرزور ایجی ٹیشن سے مجبور ہوکر انگریزوں نے ۱۹۱۰ء میں بنگال کی تقسیم کو منسوخ کر دیا، مسلمانوں کو اس کا بڑا صدمہ ہوا، یہی زمانہ تھا جب نواب وقار الملک نے انگریزوں کی حکومت کے خلاف اپنے جذبات کا اظہار کیا اور مولانا شبلی مرحوم نے ''پولیٹکل کروٹ'' کا سلسلہ شروع کیا جس نے مسلمانوں کے سیاسی رخ کو سرکار پرستی کی طرف سے پھیر کر صحیح سیاست کی طرف کر دیا''۔(برید فرنگ ص ۸، اعظم گڑھ، ۱۹۸۶ء)

جانشین شبلی مولانا سید سلیمان ندوی کا یہ بڑا عظیم الشان تاریخی کارنامہ ہے کہ انھوں نے نہ صرف فکر شبلی کے فروغ واشاعت میں حصہ لیا بلکہ ان کی ایک ایک تحریر کو تلاش کر کے انتہائی سلیقہ سے مرتب و مدون کر کے شائع کیا، مقالات کی آٹھ جلدیں، اردو و فارسی کلیات اور ایک جلد میں ان کی منتخب ادبی تحریریں ''انتخابات شبلی'' کے نام شائع کیں۔ترتیب وتدوین میں یہ ان کا اہم کارنامہ ہے۔واقعہ یہ ہے کہ اصل شبلی فہمی اور شناسی کی داغ انھوں نے ہی ڈالی، آخر میں حیات شبلی لکھ کر بقول آل احمد سرور حالی سے وہ تاج فضیلت چھین لیا جو حیات جاوید کی بدولت ان کے سر پر تھا۔ یہاں ان کی مدونہ کتب کے دیباچوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

مطبع نامی کانپور سے ۱۹۱۶ء میں مکاتیب شبلی جلد اول کا پہلا ایڈیشن شائع ہوا، اس میں دیباچہ شامل نہیں، طبع دوم معارف پریس اعظم گڑھ سے نکلا اس میں دیباچہ شامل ہے۔۱۰/ صفحے کے اس دیباچہ کی ہر سطر ذکر شبلی سے عبارت ہے، ابتداء میں مکاتیب کی اہمیت پر اظہار خیال کیا ہے، پھر مکاتیب کے جمع وترتیب کے آغاز، اعلان اور پھر ہر طرف سے خطوط کی بارش کا ذکر کیا ہے، جن اہل علم

اور تلامذہ نے شبلی کی ایک ایک سطر حفاظت سے سینہ سے لگا رکھی تھی ان کا بھی ذکر کیا ہے۔ شبلی کو اپنے اردو خطوط پسند نہ تھے بلکہ اپنے فارسی خطوط کو اہمیت دیتے تھے، اردو خطوط کو بدمزہ کہتے تھے، ان تمام تفصیلات کے بعد ان خطوط کی ادبیت اور انشا پردازی کا ذکر کیا ہے، اس کی تفصیل کے لئے مہدی افادی کی ایک تحریر نقل کی ہے اور واقعی یہ تحریر بہت عمدہ ہے۔ اس سے علامہ شبلی کی انشا پردازی کی خصوصیات واضح ہو جاتی ہیں۔ آخر میں خود انھوں نے مکاتیب شبلی کی چھ خصوصیتیں بیان کی ہیں اور حق یہ ہے کہ ان چھ خصوصیتوں کے ذکر میں ان کے خطوط کی تمام خوبیاں گنادی ہیں، طوالت کے خوف سے یہاں صرف دو خصوصیات ان کے الفاظ میں نقل کی جاتی ہیں۔

پہلی خصوصیت انھوں نے اختصار اور جامعیت قرار دیا ہے پھر دوسری خصوصیت کے ذکر میں لکھتے ہیں:

''درحقیقت مختصر نویسی کوئی ایسی خوبی کی بات نہیں ہے، اصل خوبی یہ ہے کہ اختصار لفظ کے ساتھ میں پوری وسعت موجود ہو، یہی خصوصیت مولانا کی انشا پردازی اور بلاغت کی جان ہے۔ وہ ایک ہی دو فقروں میں جو کچھ کہہ جاتے ہیں ہم مضمون میں ان کو نہیں کھپا سکتے۔ وہ چند لفظوں میں جو جادو پھونک دیتے ہیں اس زمانہ کے سامری سیکڑوں منتروں میں وہ روح نہیں پیدا کر سکتے۔(مکاتیب شبلی اول ص اا طبع جدید ۲۰۱۰ء)

القاب و آداب سے بے نیازی، جواب کی پابندی، طرز تحریر وغیرہ خصوصیتوں کو واضح کرنے کے بعد آخری یعنی چھٹی خصوصیت کا ذکر کرتے ہوئے سید صاحب لکھتے ہیں:

''مولانا ہر شخص کے اس کے مذاق اور تعلقات کے مطابق گفتگو کرتے تھے، شاگردوں کے خطوط میں علمی و اصلاحی مشورے نظر آئیں گے، مولوی حبیب الرحمٰن شروانی کے خطوط میں زیادہ تر فارسی شاعری نوادر کتب اور ندوہ کے متعلق باتیں ہیں، پروفیسر عبدالقادر سے ادب و تاریخ فارسی کے مباحث پر گفتگو ہے، مولانا حمید الدین صاحب سے تفسیر اور سیرت پر مکالمات ہیں، مسٹر عبدالماجد سے مغربیات پر باتیں ہیں، مسٹر مہدی حسن صاحب مصنف دائرہ ادبیہ کے نام کے خطوط میں محاسن ادبی اور لطافت شعری پر گلفشانیاں ہیں''۔(ایضاً ص ۱۲)

آخر میں مکاتیب کے انتخاب کی ترجیحات کا ذکر ہے، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے بہت سے خطوط ان کے انتخاب میں نہ آسکے۔ یہ دیباچہ دونوں جلدوں کے لئے ہے یہی وجہ ہے کہ دوسری جلد میں دیباچہ شامل نہیں۔

مکاتیب شبلی کی اشاعت کے بعد علامہ شبلی کے مقالات کی اشاعت کا سلسلہ شروع کیا جو آٹھ حصوں میں پایۂ تکمیل کو پہونچا، پہلا حصہ مذہبی، دوسرا ادبی، تیسرا حصہ تعلیمی، چوتھا تنقیدی، پانچواں تاریخی، چھٹا حصہ بھی تاریخی، ساتواں فلسفیانہ، آٹھواں متفرق تحریروں کا مجموعہ ہے، میں نے ان تمام کا مفصل تعارف و تجزیہ اپنی کتاب آثار شبلی میں پیش کیا ہے۔

پہلی جلد پر مختصر سا دیباچہ ہے، مقالات شبلی کا ذکر کرتے ہوئے سید صاحب لکھتے ہیں:

''مولانا شبلی مرحوم نے مستقل تصنیفات کے علاوہ مختلف عنوانات پر سیکڑوں علمی و ادبی و سیاسی مضامین لکھے تھے جو ہنوز اخبارات و رسائل کے صفحات میں منتشر تھے۔ علم دوست اصحاب کا تقاضا تھا کہ ان پراگندہ موتیوں کو ایک سلک میں منسلک کر دیا جائے کہ وہ ہر شخص کو یکجا میسر آسکیں اور اہل علم ان سے پوری طرح فائدہ اٹھا سکیں، اگرچہ مولانا مرحوم کے چند مضامین رسائل شبلی اور مقالات شبلی کے نام سے ان کی زندگی ہی میں شائع ہو چکے تھے لیکن یہ دونوں مجموعے ناتمام ہیں اور صرف چند تاریخی اور علمی مضامین پر مشتمل ہیں، اس بنا پر ارادہ کیا گیا کہ مختلف عنوانات کے تحت اس عنوان پر ان کے تمام مضامین ایک ایک جلد میں یکجا کر دیے جائیں تاکہ ان کے مضامین جن جن موضوع پر ہوں وہ الگ الگ مرقع میں نظر آئیں''۔(مقالات شبلی اول ص ا)

مقالات شبلی کی دوسری جلد سے ساتویں جلد تک بغیر دیباچہ کے شائع ہوئی ہیں البتہ آٹھویں جلد میں جو متفرق

مضامین اور تحریروں کا مجموعہ ہے اس میں دیباچہ شامل ہے، یہ جلد بہت اہم ہے، اس میں بڑا تنوع ہے، اس سے علامہ شبلی کی مختلف حیثیتوں کی وضاحت ہوتی ہے، سید صاحب لکھتے ہیں:

''مولانا شبلی مرحوم کے مضامین کا یہ مجموعہ ان کے متفرق اخباری مضامین، مختلف سفید تجاویز اور منصوبوں پر مشتمل ہے، اس مجموعہ پر سرسری نظر ڈالنے سے مصنف کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر ایک ساتھ نظر پڑ جاتی ہے، اشاعت اسلام، وقف اولاد، اوقاف اسلامی، تعطیل نماز جمعہ، مجلس علم کلام، اشاعت کتب قدیمہ، ترجمہ انگریزی قرآن مجید، تالیف سیرت نبویؐ وغیرہ۔ مختلف قومی اور مذہبی تجویزیں انھوں نے قوم کے سامنے پیش کیں ان میں سے کچھ کو اپنی کوششوں سے پورا کردیا، کچھ ایسی تھیں جو مناسب فضا نہ ہونے سے بارآور نہیں ہوئیں''۔ (مقالات شبلی ج۸ ص۵)

بقیہ دیباچہ اسی اقتباس کی تشریح وتوضیح ہے اور اس قدر عمدہ ہے کہ یہاں ان کے اقتباسات طوالت کے باوجود نقل کئے جاتے ہیں:

۱۔ اشاعت اسلام

''اشاعت اسلام کا کام انھوں نے باقاعدہ شروع کردیا تھا اور مجھے میری قومی خدمت کی تعلیم کی غرض سے مددگار ناظم بنادیا تھا، یاد ہوگا کہ ۱۹۰۸ء میں ارتداد کا جو عظیم الشان طوفان اٹھا تھا اس کے مقابلہ کے لئے جو لوگ اٹھے تھے ان میں ایک سربرآوردہ نام مولانا مرحوم کا بھی ہے، وہ شاہ جہاں پور وغیرہ خود دورہ کو نکلے، راج پوتانہ کے اطراف میں معتمد آدمی بھیجے، ندوہ میں سنسکرت پڑھانے کا انتظام کیا، کئی طالب علموں کو اس درجہ میں داخل کرکے ان کو اس حد تک تیار کیا کہ اس درجہ کے ایک مسلمان طالب علم نے شاید ۱۹۱۰ء کے ندوہ کے اجلاس دہلی میں جب ٹھیٹ ہندی میں تقریر کی تو حاضرین کو اس کے پیدائشی پنڈت ہونے کا گمان ہوگیا اور وہ اس وقت دور ہوا جب لوگوں نے اس سے قرآن سنانے کی فرمائش کی، اتفاق دیکھئے کہ اس کے قرآن سنانے کا لحن بھی نہایت دلاویز تھا اس وقت اس نے سورہ رحمٰن کی قراءت اس خوبی سے کی کہ سارا مجمع آئینہ حیرت تھا''۔ (ص۵۔۶)

۲۔ وقف علی الاولاد

''وقف علی الاولاد کا مسئلہ جس میں سرسید ناکام رہ چکے تھے مولانا کی کوششوں سے ایسا کامیاب ہوا کہ حکومت وقت کو اس کے آگے سر جھکانا پڑا اور مسٹر محمد علی جناح کی تحریک سے اسمبلی نے اس کو قانون بنانا منظور کیا''۔ (ایضاً ص۶)

۳۔ تعطیل جمعہ

''نماز جمعہ کی تعطیل کے مسئلہ کو اٹھایا اور اس حد تک اس کو گورنمنٹ سے منوالیا کہ جو مسلمان نماز جمعہ میں جانا چاہیں وہ ایک مقررہ وقت کے لئے جاسکتے ہیں''۔ (ایضاً)

۴۔ سیرۃ نبویؐ

''ان کی سیرت نبویؐ کی تجویز ایسی سرسبز ہوئی کہ آج ہماری زبان اس مقدس لٹریچر کی فراوانی، بلندی اور افادیت پر بجا فخر کرسکتی ہے''۔ (ایضاً)

۵۔ اوقاف اسلامی

''عام اوقاف اسلامی کا کام انھوں نے اخیر زندگی میں شروع کیا تھا اور ناتمام رہا مگر اکثر صوبوں میں ان کی ناتمام کوششوں کی آواز بازگشت گونجی اور سالہا سال کے بعد صوبوں کی حکومتوں نے اس کے متعلق اب کچھ نہ کچھ کیا ہے''۔ (ایضاً)

۶۔ سیاسیات

مولانا شبلی کی سیاسیات پر نسبتاً کم لکھا گیا ہے، سید صاحب نے حیات شبلی اور زیر نظر مقالات شبلی (ج ۸) کے دیباچہ میں جو کچھ لکھا ہے اور لکھنے والوں نے اسی کی تشریح وتعبیر کی ہے۔ سید صاحب لکھتے ہیں:

''مولانا عملاً سیاسی نہ تھے مگر وہ اپنے خیالات میں نہایت سخت سیاسی تھے، اتحاد عالم اسلامی کے وہ پہلے سفیر تھے، علماء اور رہنمایان قوم میں سب سے پہلے ان ہی نے اسلامی ممالک کا سفر کیا اور سلطان ٹرکی سے اعزاز کا تمغہ پایا، جب وہ واپس آئے تو انگریزی حکومت نے ان کی کڑی نگرانی رکھی، کئی سال تک وہ

جاسوسوں کے زمرہ میں رہے اور یہ سمجھا جاتا تھا کہ وہ عثمانی خلافت اور اتحاد اسلامی (پین اسلامزم) کے جس سے اس زمانہ میں بہت کچھ ڈرا جاتا تھا ہندوستان میں مبلغ ہیں"(ص ۶-۷)

اس کے بعد سید صاحب نے شبلی کے ٹرکی جانے سے پہلے ٹرکی کے لئے چندہ جمع کرنے، شہر آشوب لکھنے اور لکھنؤ کے جلسہ میں پڑھنے۔ اور مسلمانوں کے مسائل ومعاملات پر خوش کن خبر سے خوش ہونے اور غم انگیز خبروں سے دل گیر ہونے کا ذکر کیا ہے پھر ان کے سیاسی نقطۂ نظر کی وضاحت کی ہے اور لکھا ہے کہ:

"مولانا کالج میں گو سرسید کے ساتھ رہتے تھے مگر مذہبی اختلاف کے ساتھ ساتھ موصوف کو سرسید کے آخری سیاسی خیالات سے حد درجہ اختلاف تھا اور اس کو وہ ہندوستانیوں اور مسلمانوں کے حق میں سخت مضر سمجھتے تھے، بلکہ اعلانیہ وہ کانگریس کی حمایت کرتے تھے اور اس وقت کی کانگریس کے خیالات سے پوری طرح متفق تھے"۔(ص ۷)

اس کے بعد سید صاحب سرسید سے سیاسی اختلاف، جمہوری نظام کے حق میں تقریر، سرسید کا اس کا جواب لکھنا، تقسیم بنگال، جنگ بلقان، واقعہ مسجد کان پور، مسلم لیگ کی مخالفت کی تفصیل لکھی ہے، صحافت کے سلسلہ میں مولانا شبلی کی کوششوں کے بارے میں لکھتے ہیں:

"۱۹۱۲ء میں جو بڑا انقلاب انگیز سال تھا مسلمانوں کی آزاد اخبار نویسی کا سال آغاز ہے، جب لاہور سے زمیندار نے رنگ پلٹا اور کلکتہ میں الہلال نمودار ہوا تو وسط ہند کیسے خالی رہ سکتا تھا چنانچہ لکھنؤ میں سید میر جان کی کوشش اور مولانا کے زیر مشورہ مسلم گزٹ نکلا، مولانا اس میں کبھی نام سے اور کبھی بے نام مضمون لکھتے تھے، مولوی وحید الدین سلیم مرحوم کو اس کی ایڈیٹری کے لئے مولانا ہی نے بلوایا تھا"۔(ایضاً ص ۸-۹)

بعد ازاں علامہ کی انگریزی ترجمہ قرآن کی کوششوں کا ذکر ہے، دار المصنفین کی تجویز، ندوہ کی تعمیرات، ندوہ کے طلبہ کی کامیابیوں، قدیم عربی کتب کی اشاعت کی تجویز، مجلس علم کلام اور المامون کی تنقید کا جواب وغیرہ موضوعات پر شبلی کی کوششوں اور کاوشوں کی تفصیل لکھی ہے۔ آخر میں اس جلد میں شامل مضامین کی جمع وتدوین پر روشنی ڈالی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس دیباچہ میں شبلی اور ان کے افکار کی تفصیل سے وضاحت ہوتی ہے۔ یہ سید صاحب کا بہت اہم دیباچہ ہے۔

مولانا سید سلیمان ندوی کا ایک بڑا کارنامہ علامہ شبلی کے اردو وفارسی کلام کی تدوین بھی ہے۔ جسے انھوں نے کلیات شبلی کے نام سے شائع کیا، کلیات فارسی بغیر دیباچے کے شائع ہوا ہے، اس لئے اس سلسلہ میں ان کی کاوشوں کا اندازہ نہیں ہوتا، البتہ کلیات شبلی اردو پر انھوں نے ایک طویل مضمون، جس میں علامہ کی شاعری اور خصوصیات کو تفصیل سے بیان کیا ہے، اس سے ان کی محنت کا اندازہ ہوتا ہے۔

مولوی صفوۃ الرحمٰن صابرؒ۔ حیدر آباد

ملت کے مسائل کا حل قرآن کی روشنی میں

دنیا میں عذابِ الٰہی کے نزول کا دوسرا قانون (غور کیجیے)

دنیا میں اللہ تعالیٰ عذاب اس وقت نازل کرتا ہے جب اللہ ورسول کی تعلیمات کو اپنی اصلی شکل وصورت میں رکھنے والے (قوم کے ذمہ دار افراد) شرک وبدعات جیسے سنگین بگاڑ میں مبتلا ہوکر اجتماعیت ومرکزیت کی بجائے گروہوں، جماعتوں اور مسلکوں کی عصبیت کا شکار ہوکر اپنا بنیادی فرض منصبی (اللہ کا دین اس کے بندوں تک دامے، درمے، سخنے) پورا کرنے کی کوشش میں لگے رہنے کی بجائے اہل دنیا کی طرح دنیا اور اس کی آسائشوں کو اپنا مقصدِ زندگی بنالیتے ہیں تو ان پر عذابِ الٰہی کے نزول کا آغاز ہونے لگتا ہے، برسر اقتدار اہل باطل کا رعب پیدا کردیتا ہے اور اپنے فرض منصبی سے غفلت برتنے لگتے ہیں، چونکہ معاش کے ذرائع کم اور محدود رہتے ہیں جس کی بناء پر معاش کی فکر وکوشش میں زیادہ وقت صرف کرنا پڑتا ہے، اس طرح دینی تعلیم سے دوری کی وجہ سے جہل بڑھتا جاتا ہے اور پھر دین ان کی نماز، روزہ، حج وزکوٰۃ تک محدود ہوکر رہ جاتا ہے، ان حالات میں بھی وہ ہوش میں نہیں آتے تو پھر ذلت ومسکنت کی حالت میں مبتلا کردیئے جاتے ہیں، اس پر بھی وہ کتاب وسنت کے ذریعہ اپنے عقائد واعمال کو سدھارنے کی فکر وکوشش کرنے کی بجائے شرک وبدعات وتوہمات پر نہ صرف جمے رہتے ہیں بلکہ اصلاح کی تگ ودو کرنے والوں کے درپے آزار ہوجاتے ہیں تو ان کی عزت، جان، ومال، اہل باطل کے ہاتھوں تباہ ہونے لگتی ہے، انہیں اجتماعی عبادت ادا کرنے سے روک دیا جاتا ہے، حتیٰ ایں کہ ان کے اپنے مذہبی وشرعی احکام پر عمل کرنے کے لیے بھی پابندیاں عائد کردی جاتی ہیں اور ان مسائل کے حل کرنے کے لیے ان سے رجوع ہونا پڑتا ہے، ان حالات میں مبتلا کردیا جانا عذابِ الٰہی ہے جس کے یہ شرک وبدعات کی وجہ سے مستحق ہوئے۔

إِنَّ الَّذِينَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِينَ (اعراف)

"یقیناً جو لوگ گوسالہ پرستی میں مبتلا ہوجاتے ہیں تو اس کی سزا یہ ہے کہ دنیا ہی میں ان پر اللہ کا غضب نازل ہوتا ہے اور ذلت کی زندگی میں مبتلا کردیئے جاتے ہیں، کارسازی، حاجت روائی کے سلسلہ میں جھوٹی باتیں گھڑنے والوں کو ہم اسی قسم کا بدلہ دیا کرتے ہیں"۔

لَّا تَجْعَلْ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُومًا مَّخْذُولًا (اسریٰ)

"اللہ کے ساتھ کسی کو بھی حاجت روا بنائے گا تو تُو دنیا میں بے یار ومددگار اور ذلیل ہوکر رہ جائے گا"۔

قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلُ ۚ كَانَ أَكْثَرُهُم مُّشْرِكِينَ (الروم)

"اے نبیؐ! کہہ دیجئے دنیا میں جن پر اللہ کا عذاب

آیا، اس کے آثار زمین میں چل پھر کر دیکھ لو اور عذاب محض اس وجہ سے نازل ہوا کہ ان کی اکثریت مشرک تھی"۔

یوسفؑ نہ صرف قید خانہ میں بلکہ فرمانروائے مصر کی حیثیت پر مامور ہو جانے کے بعد بھی اللہ واحد القہار کے تنہا حاجت روا ہونے کی بات سمجھاتے رہے، آپؑ کی وفات کے بعد بنی اسرائیل اس تعلیم پر قائم رہنے اور اس کی تبلیغ کرنے کی کوشش کی بجائے شرک وبدعات، جادو ٹونا، تعویذ، دم، نقش، نحوست وبرکت اور نظرِ بد جیسے باطل عقائد میں مبتلا ہو گئے تو نہ صرف شہری حقوق سے محروم کر دیئے گئے بلکہ فرعون ان کے لڑکوں کو مروا ڈالتا تھا اور لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دیتا تھا، ذرا سی تبدیلی کے ساتھ معیارِ زندگی کے عنوان سے آج بھی ضبطِ تولید، مانع حمل اور برتھ کنٹرول کیا جا رہا ہے، جب موسیٰؑ مبعوث ہوئے تو بنی اسرائیل کو یہ بنیادی ہدایت دی، قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا، اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ، يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ، وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ (اعراف)

"موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا ظلم کرنے والوں سے مقابلہ کے لیے اللہ سے مدد کی التجا کرو اور صبر کرو (یعنی ظلم سے بچنے کے لیے اللہ کی نافرمانی نہ کرو) بلاشبہ زمین، اللہ ہی کی مِلک ہے، وہ اپنے بندوں میں جس جس کو چاہتا ہے وارث بنا دیتا ہے اور آخرت کی کامیابی تو صرف ان ہی کے لیے ہے جو ابدی زندگی کو نقصان پہنچانے والے کاموں سے بچنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں اور آخر کامیابی ان کو ہی ہوتی ہے جو اللہ کی نافرمانی کرنے سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں"۔ اس ہدایت پر عمل کرنے پر بھی ظلم میں کمی کے آثار پیدا نہ ہوئے تو موسیٰؑ سے قوم نے فرعون کے ظلم کی فریاد کرنے لگی، قَالُوْا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَ مِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا (اعراف ۱۲۹)

"کہنے لگے اے موسیٰ! تمہارے آنے سے پہلے بھی ہم پر ظلم ڈھائے جا رہے تھے اور تمہارے آنے کے بعد بھی ڈھائے جا رہے ہیں" تو آپؑ نے فرمایا قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَ يَسْتَخْلِفَكُمْ فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ (اعراف)

"آپ (موسیٰؑ) نے کہا کہ تمہارا پروردگار تمہارے دشمنوں کو جلد ہی ہلاک کر دے گا اور تم کو سرزمین کا مالک بنا دے گا۔ پھر یہ دیکھے گا کہ تم کیا کرتے ہو" ملحوظ رہے کہ حاکمیت ہو یا محکومیت دونوں دراصل امتحان ہی ہیں۔ وَقَالَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ، فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا، رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ، وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ (یونس)

"اور موسیٰؑ نے کہا اے میری قوم اگر تم اللہ پر ہی ایمان رکھتے ہو تو، اسی پر بھروسہ کرو اگر تم اسی کے فرمانبردار ہو، پس قوم کے لوگوں نے کہا ہم اللہ ہی پر بھروسہ کرتے ہیں (اور یہ دعا کی) اے ہمارے رب! ہم کو ظالم قوم کا تختۂ مشق نہ بنا اور اپنی رحمت سے ہم کو کافر قوم سے نجات دلا"۔ ملحوظ رہے کہ اس قدر کمزور و بے بس غلام قوم جو اپنے لڑکوں کو قتل ہونے سے بچا نہ سکتی تھی جیسے ہی وہ اللہ کی طرف رجوع ہوئی، اللہ تعالیٰ نے مظالم سے بچنے کی حسب ذیل تدبیر اختیار کرنے کا حکم دیا۔ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ، وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ (یونس)

"اور ہم نے موسیٰؑ اور اس کے بھائی (ہارونؑ) کی طرف وحی کی کہ اپنی قوم کے لیے مصر میں چند مکان مہیا کر لو جن کو وہ قبلہ بنالیں (یعنی قبلہ رخ ہوں) اور نماز قائم کرو اور اہل ایمان کو بشارت دے دو" چنانچہ اس تدبیر پر عمل کرنے سے کمزور و غلام قوم جس میں بیمار، بوڑھے، جوان بچے اور عورتیں تھیں، سب کے سب موسیٰؑ کے حکم پر جو کہ اللہ نے وحی کے ذریعہ آپؑ کو دیا تھا، ایک ہی رات میں مصر سے نکل جاتے ہیں جس کا علم حکومتِ وقت کو صرف صبح میں ہوتا ہے۔ (جاری)

ڈاکٹر مفتیہ رقیہ شکیل خان۔ عربک لیکچرر مکرم جاہ جونیئر کالج حیدرآباد

فضائل وخصوصیات قرآن مجید

اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کیلئے انبیاء کرام اور رسول عظامؑ کو مبعوث فرمایا اور اپنی کتابیں نازل فرمائی چار بڑی کتابیں قرآن مجید، توریت، انجیل اور زبور دیگر لا تعداد صحائف نازل فرمائے۔

قرآن مجید اللہ کی کتاب ہے اور قرآن مجید کی برکتیں بے انتہاء ہیں یہ خدائے پاک کی رحمتوں کا سرچشمہ ہے نعمت ودولت کی سربلندی وسرفرازی کا ذریعہ ہے اس کے الفاظ بہت مبارک ہیں یہ سب سے بڑے بادشاہ کا کلام ہے جو اللہ نے اپنے بندوں کے لئے بھیجا ہے اور اس کی تلاوت کرنے والا دنیا وآخرت میں بے انتہا ثمرات کا مستحق ہوتا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: "ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ" یہ اللہ کی کتاب ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ یہ ہدایت ہے پرہیزگاروں کے لیے۔ (سورۃ البقرۃ:۲)

حضور کریمؐ نے ارشاد فرمایا میری امت کی افضل ترین عبادت قرآن کی تلاوت ہے۔ (بخاری) قرآن پاک کی تلاوت کرنے والے کی موت کے بعد اس کی قبر پر نہایت خوبصورت شکل میں ایک شخص آتا ہے جو اس کی راحت اور آرام کا سامان بنتا ہے۔ (عمدۃ القاری شرح بخاری) یہ قرآن پاک کی مثالی تصویر ہوتی ہے لوگ قبر میں اتارنے کے بعد گھر لوٹتے ہیں تو منکر نکیر حساب کیلئے پہنچ جاتے ہیں وہاں قرآن پاک شفاعت کیلئے آگے بڑھ کر رہنمائی کرتا ہے اور منکر نکیر کے سوالات کا خود جواب دیتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں جس گھر میں قرآن پاک کی تلاوت کی جائے وہاں کے رہنے والوں کو خیر وبرکت اور وسعت نصیب ہو جاتی ہے فرشتے وہاں حاضر ہوتے ہیں اور شیاطین بھاگ جاتے ہیں۔ (ترمذی)

قرآن مجید برکات وحسنات کا ایک لامتناہی سر چشمہ ہے قرآن حکیم شفاء ہے اور حکمت وموعظت کا بہترین سرمایہ ہے اور قرآن رمضان کے مبارک مہینے میں نازل ہوا ہے اور اس میں لوگوں کے لئے ہدایت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: "شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ" (سورۃ البقرۃ:۱۸۵) رمضان کا مہینہ جس میں قرآن نازل ہوا لوگوں کے لئے ہدایت اور فیصلہ کی روشن باتیں ہیں۔

قرآن مجید کا ایک اعجاز یہ بھی ہے کہ قرآن رمضان کے مہینے اور شب قدر کی عظیم شب میں نازل کی گئی ہے۔ جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد گرامی ہے کہ: "اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ" (سورۃ القدر، پارہ:۳۰) بے شک ہم نے اس کو لیلۃ القدر میں نازل کیا۔

قرآن مجید کو قرآن کریم بھی کہا گیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: "اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ" (سورۃ الواقعۃ:۷۷)

قرآن مجید کی خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کو بغیر طہارت اور بغیر وضو کے چھو بھی نہیں سکتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: "لَا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ" (سورۃ الواقعۃ:۷۹) اس کو مت چھوؤں مگر حالت پاکی میں۔

قرآن مجید کی خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کے پڑھنے

کے احکام کو بھی اس میں بیان کر دیا گیا ہے کہ اس کو کیسے پڑھا جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: "وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا" (سورۃ المزمل:۴) قرآن مجید کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھو۔

ظہر اور عشا اور عصر کی نمازوں کے علاوہ صبح کے وقت تلاوت کلام پاک کی بھی خود قرآن میں ہدایت دی گئی ہے چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: "اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا" (سورۃ بنی اسرائیل:۷۸) بے شک صبح کا قرآن (تلاوت) فرشتوں کے حاضر ہونے کا وقت ہے۔

قرآن مجید پڑھتے وقت خاموش رہنے کا حکم دیا گیا جیسا کہ ارشاد خدا ہے: "وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ" (سورۃ الاعراف:۲۰۴) جب قرآن پڑھی جائے تو سنو اور خاموش رہو شاید کہ تم پر رحم کیا جائے۔

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی قوم مساجد میں سے کسی مسجد میں کتاب اللہ کی تلاوت کرتی ہے تو ان پر راحت وسکون نازل ہوتا ہے۔

رحمتِ الٰہی انہیں ڈھانپ لیتی ہے ملائکہ رحمت انہیں گھیر لیتے ہیں اور رب کریم اپنے پاس موجود نوری مخلوق میں ان کا تذکرہ فرماتا ہے۔ (ابوداؤد)

حضورؐ کا فرمان عالیشان ہے تم میں سے کون چاہتا ہے کہ صبح کو بطحان یا عقیق جائے پھر بغیر کسی گناہ (چوری یا غصب وغیرہ) کے ارتکاب کئے یا رشتہ توڑے بغیر دو بڑے کوہان والی اونٹنیاں لیتا آئے؟ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم سبھی یہ چاہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: تو کیوں نہیں تم میں سے کوئی مسجد جاتا اور کتاب اللہ کی دو آیتوں کی تعلیم دیتا یا یہ دو آیتیں اس کے لئے دو بڑے کوہان والی اونٹنیوں سے بہتر ہوں گے اور تین آیتیں اس کے لئے تین اونٹنیوں سے بہتر اور چار آیتیں اس کے لئے چار اونٹنیوں سے بہتر ہوں گے اسی طرح جتنی آیتیں سکھائے یا پڑھے اتنی اونٹنیوں اور اونٹوں سے بہتر ہوں گی۔ (بخاری)

ایک حدیث مبارکہ میں مذکور ہے کہ حضور ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ اس کتاب یعنی قرآن مجید کی وجہ سے کتنے ہی لوگوں کو بلند مرتبہ عطاء کرتا ہے اور کتنے لوگوں کو پست وذلیل کرتا ہے۔ (بخاری)

اس حدیث مبارکہ کی تشریح اس طرح بیان کی گئی ہے کہ جو لوگ اس قرآن پر ایمان لاتے ہیں اور عمل کرتے ہیں اللہ ان کو دنیا وآخرت میں رفعت وعزت عطاء فرماتے ہیں جو لوگ اس پر عمل نہیں کرتے ان کو ذلیل کر دیتا ہے۔

حضورؐ نے ارشاد فرمایا ہے قرآن مجید اللہ تعالیٰ کو ساتوں آسمان اور ساری زمین اور تمام جہاں سے زیادہ پیارا اور محبوب ہے پھر جو بندہ اس کی تلاوت کرے گا اور قرآن مجید کو دوست رکھے گا اور وہ بھی خدا کا محبوب ہوگا۔ (سنن دارمی)

حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ جس نے ایک حرف قرآن مجید کو پڑھا اس کو دس نیکیاں ہیں پھر الم ایک حرف نہیں بلکہ یہ تین حرف الگ الگ ہیں ایک الف، دوسرا لام تیسرا حرف میم جو مسلمان صرف الم کہے گا اس کو تیس نیکیاں عنایت ہوگی ایک ایک نیکی کا وزن کئی ہزار احد پہاڑ کے برابر ہوگا۔ (ترمذی شریف)

اسلام نے کتاب اللہ کو حفظ کرنے کی ترغیب دی جیسا کہ حضورؐ نے فرمایا جس کے سینے میں کچھ قرآن نہیں ہے وہ ویران مکان کے مثل ہے۔ (بخاری) یعنی قرآن پڑھتے وقت خوبصورت آواز سے نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں اگر اچھی آواز نہ ہو تو خوبصورت بنانے کی کوشش کرے۔ (تفسیر رضوی)

قرآن مجید کو پڑھنے اور پڑھانے کی بڑی فضیلت (جیسا کہ حضور اکرمؐ نے فرمایا: تم میں بہترین شخص وہ ہے جو قرآن مجید کو سیکھے اور سکھائے) ایک حدیثِ مبارکہ میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے حضور اکرمؐ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ قرآن شریف کو سیکھو پھر اس کو پڑھو اس لئے کہ جو شخص قرآن مجید سیکھتا ہے اور پڑھتا ہے تہجد میں پڑھتا رہتا ہے اس کی مثال اس تھیلی کی سی ہے جو مشک سے بھری ہوئی ہو کہ اس کی خوشبو تمام مکان میں پھیلتی ہے اور جس شخص نے سیکھا اور پھر سو گیا اس کی مثال اس مشک کی تھیلی کی ہے جس کا منہ بند کر دیا گیا ہو۔ (بخاری)

انصار احمد معروفی۔ مدرسہ چشمۂ فیض ادری، مئو۔ یوپی

دل نواز، ادیب وسائنس نگار ڈاکٹر ایم ایم شیخ

بائیں سے مضمون نگار مولانا انصار احمد معروفی، ڈاکٹر ایم ایم شیخ، ابوہریرہ یوسفی

اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ سے کچھ شخصیتیں ایسی ہوتی ہیں جو جامعیت کی صفت سے متصف ہوتی ہیں، ایک طرف ان میں صاف ستھرا ادبی ذوق پایا جاتا ہے تو دوسری طرف علمی و تحقیقی جذبہ بھی نمایاں ہوتا ہے، اگر علمی وادبی موضوعات پران کی اچھی دسترس رہتی ہے تواس کے پہلو بہ پہلو وہ سائنسی علوم پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ایسی ہی ایک زندہ دل اور بقید حیات شخصیات میں سے ایک نمایاں شخصیت محترم ڈاکٹر محمد منتجب الدین کی ہے، جو علمی دنیا میں ''ڈاکٹر ایم ایم شیخ'' کے نام سے متعارف ہیں۔ جو ۸؍ فروری ۱۹۴۵ء کو'' ہنگولی، مہاراشٹر۔ کے ایک علمی گھرانے میں پیدا ہوئے، والد صاحب کا نام'' محمد نظام الدین ہے، اور اچھے شاعر ہونے کی بنا پر وحید ہنگولوی کے نام سے مشہور ہیں، والد صاحب کے ادبی وشعری ذوق کی وجہ سے انھیں یہ سرمایہ ورثہ میں ملا، وہیں ان کے حسن تربیت کے نتیجے میں ان کے اندر دینی جذبہ بھی بیدار ہوا۔

ڈاکٹر ایم ایم شیخ نے اپنی نئی کتاب'' قرآن اور تخلیق انسانی'' کے دیباچے میں اپنی کتاب کو اپنے والد صاحب کی طرف منسوب کرتے ہوئے لکھا ہے'' والد محترم حضرت محمد نظام الدین وحید ہنگولوی مرحوم، جو مثالی استاد ہیں، اور جن کی رہنمائی میں مجھے قرآن کریم کے مطالعے کا ذوق وشوق عطا ہوا''۔ ص ۵۔

مہاراشٹر کا اکثر علاقہ تعلیم یافتہ اور اردو زبان وادب کا قدردان ہے، جگہ جگہ اردو کے اسکول اور علم حاصل کرنے کے بڑے بڑے ادارے موجود ہیں، ڈاکٹر صاحب کو ان کے والد صاحب نے اعلیٰ تعلیم دلائی، ان کی ابتدائی تعلیم گورنمنٹ ہائی اسکول، پربھنی میں ہوئی، ان کے سر پر DFMA.C.J.LLMMMMSC A.PHD. کی قابلیت ولیاقت کا سہرا بندھا ہوا ہے، ان کے مطالعے کا موضوع حیوانات، حشرات، اور سائنس ہے، ادبیات سے بھی اچھی خاصی دلچسپی ہے، اس کے ساتھ قرآن و تفسیر کے مطالعے کا خاص ذوق رکھتے ہیں (اردو میں سائنسی وسائل۔ ص۔۱۳)

فیلوشپ کے طور پر وہ فیلو آف انٹا مالوجیکل سوسائٹی آف انڈیا FES رہے ہیں، ڈاکٹر ایم ایم شیخ کو اللہ نے درس وتدریس کے مقدس فریضے سے جوڑا، وہ تقریباً چالیس سال تک مولانا آزاد کالج اورنگ آباد میں معلّمی کے فرائض بخوبی انجام دیتے رہے، انھیں گریجویٹ اور پوسٹ گریجویٹ کے طور پر چالیس سالہ درس وتدریس کا طویل تجربہ ہے، اس وقت وہ ریڈر وصدر شعبۂ حیوانات مولانا آزاد کالج کے طور پر سبک دوش ہوکر یکسوئی کے ساتھ علمی وسائنسی تصنیفی خدمات انجام دے رہے ہیں (ریشم سازی، آخری صفحہ)

کسی استاد کی قابلیت کو پرکھنے کے معاملے میں اس کا شاگرد صحیح فیصلہ کرسکتا ہے؛ جس نے ان سے برسوں تعلیم حاصل کرکے اپنی علمی تشنگی دور کی ہو، چنانچہ ان کے ایک ہونہار شاگرد صدر جمہوریہ ایوارڈ یافتہ معلم ڈاکٹر رفیع الدین ناصر لکھتے ہیں ’’بحیثیت استاد ڈاکٹر ایم ایم شیخ مثالی ہیں، وہ بیک وقت NCC کے کیپٹن اور صدر شعبۂ حیوانات اور مختلف کمیٹیوں کے چیرمین کی حیثیت سے کام کرتے رہے، ان کا رکھ رکھاؤ، نظم ونسق، تدریس پر اچھی گرفت، طلبہ کے ساتھ ہمدردانہ رویہ اور ان کی رہنمائی کی وجہ سے وہ اپنے طلبہ اور ساتھی اساتذہ میں بہت مقبول ہیں، اس مقبولیت میں اس وقت مزید اور اضافہ ہوا جب انھوں نے مولانا آزاد کالج اورنگ آباد کی تجربہ گاہ کو بحیثیت ریسرچ لیبارٹری ریکنائز کرایا، اور اس کے بعد انتہائی کامیابی سے نیشنل کانفرنس کا انعقاد کرایا، آپ کے کئی طلبہ آج بہت اعلی مقام پر ہیں اور انھیں اپنا آئیڈیل مانتے ہیں (ریشم سازی کا مقدمہ)

ڈاکٹر صاحب اسی کے ساتھ بہترین اور باتدبیر منتظم رہ چکے ہیں، کملا نہرو کالج آف فارمیسی اورنگ آباد میں بطور پرنسپل تین سال، اور ڈاکٹر رفیق زکریا سینٹر فار ہائر لرننگ اینڈ ریسرچ اورنگ آباد میں بطور ڈائریکٹر دوسال رہ کر اپنی انتظامی صلاحیت کا لوہا منوا چکے ہیں اس کے ساتھ دیگر ذمہ داریوں میں NCC میں کیپٹن عہدہ کا بیس سالہ تجربہ بھی رکھتے ہیں اور آل انڈیا سطح پر کئی کیمپس میں شریک ہوکر بحیثیت کمانڈر رہے۔ (قرآن اور تخلیق انسانی)

تصانیف: ڈاکٹر ایم ایم شیخ نے تدریس کے ساتھ قلم و قرطاس سے بھی اپنا رشتہ استوار رکھا، مستقل علمی وسائنسی کتابوں کی تصنیف کے ساتھ مختلف رسائل کے لیے قیمتی مضامین تحریر کرنا ان کا اہم علمی مشغلہ رہا ہے، اب تک کئی درجن مضامین تحریر کرکے رسالوں کی زینت بنا چکے ہیں اور سیمیناروں کو بھی وقار بخشا ہے، جو تاہنوز جاری ہے، ان کے مضامین ہوں یا مختلف موضوعات پر لکھے گئے سیمیناروں کے لیے مقالات، ہر جگہ ان کی علمی شان اجاگر ہوتی ہے، وہ جب کسی بات کا ذکر کرتے ہیں تو اس کی وضاحت کے ٹھوس علمی دلائل بھی ضرور دیتے ہیں، ان کے مضامین عموماً سائنس اور قرآن کے موضوع کا احاطہ کیے ہوئے ہیں، یا پھر کسی خاص تحقیق و انکشاف کی نشاندہی اور اس کا جائزہ مقصود ہوتا ہے۔

مثال کے طور پر حکومت ہند کا سرکاری رسالہ (نسکیئر) سہ ماہی ’’سائنس کی دنیا‘‘ میں ان کا ایک اہم مضمون ’’لونار جھیل: قدرت کا شاہکار‘‘ کے عنوان سے شائع ہوا، جس میں انھوں نے اس کھارے پانی کی جھیل کا نہایت جامع انداز میں تعارف کراتے ہوئے لکھا ہے ’’کیا آپ نے کبھی پڑھا کہ کھارے پانی کی جھیل بھی ہوتی ہے؟ یہاں جو ایک شہاب ثاقب کے گرنے کی وجہ سے تقریبا 52000 سال پہلے ریاست مہاراشٹر کے لونار علاقے میں واقع ہے، اس جھیل کا پانی انتہائی کھارا ہے، جو اس میں پائے جانے والے نمکیات اور خلیات کی وجہ سے ہے، آج کل یہ علاقہ ایک قدرتی جھیل کی وجہ سے مشہور ہوگیا ہے، اور سیاحوں کی آماجگاہ بن گیا ہے، ساتھ ہی یہاں ماہر طیور اور پرندوں کی نقل وحرکت کا مشاہدہ کرنے والے اکثر وبیشتر سیاح آتے رہتے ہیں‘‘۔ اس کے بعد ڈاکٹر ایم ایم شیخ نے ’’لونار‘‘ کا بھی اس طرح تعارف کرایا ہے ’’لونار اورنگ آباد سے 140 کلومیٹر کی دوری پر واقع ہے، اس کا ضلع بلڈانہ ہے، دنیا کے تاریخی ورثہ میں اس کی شمولیت کی گئی ہے‘‘۔ سائنس کی دنیا، شمارہ، جلد نمبر ۴۲۔ شمارہ نمبر ۳۔ جولائی۔ ستمبر ۲۰۱۶ء ۔

پھر انھوں نے کئی دلائل ذکر کیے ہیں کہ وہ جھیل کھاری کیوں ہے؟ اس پر آج کے ہندوستانی سائنس دانوں کے علاوہ دوسرے ممالک کے سائنس دانوں نے کیا کیا تحقیقات کی ہیں؟ جھیل کا مکمل تعارف، اس کے دہانے یا حلقے کا ذکر، پھر ڈھلان اور نشیب کا تذکرہ، لوگوں کی تحقیقات کا مفصل احوال اور حکومت کی اس بارے میں کی جانے والی کوششوں کا ذکر کرکے مضمون کو اختتام تک پہنچایا ہے۔

الغرض ڈاکٹر ایم ایم شیخ کے مضامین اور ان کی تصانیف نہایت پرمغز اور مدلل ہوا کرتی ہیں۔

ڈاکٹر ایم ایم شیخ کے دیگر مضامین اور رسالوں کے

علاوہ ''ماہنامہ سائنس'' نئی دہلی؛ جو ۲۷ رسال سے برابر ڈاکٹر محمد اسلم پرویز صاحب کی زیرادارت شائع ہورہا ہے، اس میں بھی شائع ہوتے ہیں۔

ڈاکٹر ایم ایم شیخ صاحب اردو کے ساتھ انگریزی زبان میں لکھنے پڑھنے پر پوری طرح عبور رکھتے ہیں، ۱۹۸۰ء میں دلی کے ایک انگریزی ماہنامے ''سائنس رپورٹر'' میں ان کا ایک مضمون سائنس کے تعلق سے انگریزی زبان میں شائع ہوا تھا، مگر پھر انھوں نے اپنے وسیلہ کے اظہار کے لیے اردو زبان کو مخصوص کرلیا، چنانچہ اسی زبان میں ان کی تین کتابیں اب تک شائع ہوچکی ہیں۔

سب سے پہلی کتاب ۲۰۰۱ء میں ''سائنسی شعاعیں'' کے نام سے شائع ہوئی۔ ڈاکٹر مرزا محمد خضر موظف اسوسیٹ پروفیسر شعبۂ تاریخ، اورنگ آباد نے لکھا ہے کہ '' ۱۹۷۷ء سے آکاشوانی اورنگ آباد سے ۱۰۰ر سے زائد عام فہم زبان میں سائنس کے موضوع پر ان کی تقاریر، سائنسی مضامین، فیچرس، اور انٹرویو انتہائی دلچسپ معلومات افزا اور مفید ہونے کی وجہ سے بہت مقبول ہوئے ہیں'' یہی کتاب ''سائنسی شعاعیں'' کے نام سے ۲۰۰۱ء میں شائع ہوئی، اسے مہاراشٹر اسٹیٹ اردو ساہتیہ اکاڈمی ممبئی نے ۲۰۰۲ء میں ایوارڈ سے نوازا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی دوسری کتاب ''ریشم سازی'' ہے جس کا اجرا علی گڈھ مسلم یونیورسٹی میں سائنس کانفرنس میں عالمی شہرت یافتہ محترم جنرل ضمیر الدین شاہ شیخ الجامعہ علی گڈھ مسلم یونیورسٹی کے دست مبارک سے ہوا، اس کی اردو دنیا میں خوب پذیرائی ہوئی، اور ماہنامہ اردو دنیا، سائنس کی دنیا، اور ماہنامہ سائنس وغیرہ رسالوں میں اس پر تبصرے شائع ہوئے۔ (قرآن اور تخلیق انسانی ص ۸)

ڈاکٹر ایم ایم شیخ کی دوسری اہم کتاب ''ریشم سازی'' ہے؛ جو ۲۰۱۶ء میں قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی کے مالی تعاون سے شائع ہوئی ہے، ۱۱۲ر صفحے کی اس کتاب میں انھوں نے ریشم کی اہمیت، اس کے بنانے کی صنعت، اس سے متعلق مفید باتیں، ریشم کے کیڑوں کی پرورش ان کے لاروے کی نگہداشت، اس کی بنیادی تیاریاں، شہتوت کی کاشت، ریشم یا سلک کی خصوصیات اور ریشم کے لاروں کی بیماریاں اور اس کا علاج جیسے اہم عنوانات قائم کرکے ''ریشم سازی'' کتاب تیار کی، جس سے احقر نے اپنی کتاب '' یہ جانور'' غیر مطبوعہ میں کافی استفادہ کیا ہے، مصنف نے اس کتاب کے تصنیف کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ '' میرا خصوصی مضمون حشرات الارض Entomology ہے، اس لیے میں نے اپنے طور پر پوری کوشش کی ہے کہ ایک عام فہم زبان میں کتاب تیار ہو جو معلومات میں اضافہ کا سبب بنے، یہ کتاب ان طلبا کے لیے بھی فائدہ مند ہوگی جو مختلف مسابقتی امتحانات کی تیاری کررہے ہیں، سائنس کے وہ طالب علم بھی اس سے استفادہ کرسکیں گے جو ریشم سازی کی تعلیم حاصل کررہے ہوں، یا علم حشرات الارض پر اپنی نظر رکھتے ہوں، اور اس کے علاوہ یہ کتاب اردو ادب میں ایک تشنہ عنوان کی کسی قدر تشنگی کے دور کرنے کا بھی سبب بنے۔ (ریشم سازی، مقدمہ)

ڈاکٹر ایم ایم شیخ نے عموماً ان موضوعات پر قلم اٹھایا ہے جس پر بہت کم کام ہوا ہے، یا کام ہونے کے باوجود سائنسی اعتبار سے دلائل کے محتاج ہیں، چنانچہ اس کتاب کے پیش لفظ میں سابق پروفیسر ڈاکٹر بابا صاحب امبیڈکر مرہٹواڑہ یونیورسٹی اورنگ آباد، جناب مسعود احمد صاحب نے لکھا ہے ''اردو میں اس عنوان پر کتابیں کمیاب ہیں، موجودہ کتاب اس کمی کو بڑی حد تک پورا کرتی ہے۔

ڈاکٹر ایم ایم شیخ کی تیسری سب سے اہم کتاب ''قرآن اور تخلیق انسانی'' ہے، اس موضوع پر ان کا وہ اہم مقالہ ہے جسے ہم اس کتاب کی بنیاد یا تمہید کہہ سکتے ہیں، وہ مقالہ کتاب مذکورہ کے نام سے ہے، جو ۲۰ر فروری ۲۰۱۶ء کو علی گڈھ مسلم یونیورسٹی کے سیمینار ہال میں '' دو روزہ قومی اردو سائنس کانگریس، میں ڈاکٹر ایم ایم شیخ نے پیش کیا اور اسے بہت سراہا گیا۔ ان کے مقالہ کا خلاصہ سیمینار کی جانب سے شائع ہونے والے یادگاری مجلّہ میں شائع ہوا تھا۔

۱۳۶ر صفحہ کی اس کتاب میں مصنف نے تدبر قرآن، کائنات کا وجود، وحدت نسل انسانی، اللہ تعالی کا طریقۂ تخلیق،

نظریۂ تخلیق خصوصی، حیاتی ارتقا کا نظریہ، حضرت آدم کی تخلیق، مٹی کیا ہے؟ نطفہ، خون کی بوند، حضرت حوا، حضرت عیسی کی تخلیق، انسانی جسم ایک مطالعہ، مختصر تاریخ طب، قرآن کریم کا سائنسی اعجاز سائنس دانوں کی نظر میں، انسانی تخلیق کے مراحل، رحم مادر کے تین پردے، تخلیقی مراحل حدیث کی روشنی میں، انسان میں جنس کا تعین وغیرہ ایسے علمی موضوعات وعناوین ہیں جن پر ڈاکٹر ایم ایم شیخ نے تفصیل سے قرآن وحدیث کی روشنی لکھا ہے، اور اسی کے ساتھ سائنسی نقطۂ نظر پیش کر کے یہ دکھایا ہے کہ ''قرآن کریم نے تخلیق انسانی کے جن مراحل کا تذکرہ کیا ہے جدید سائنس نے ان پر تصدیق کی مہر ثبت کردی ہے، سائنس داں حیران ہیں کہ کس قدر نظم وضبط، دقت وباریکی اور حیرت انگیز طریقہ پر انسان کی تخلیق ہوتی ہے، سائنس دانوں نے بتدریج اپنے تجربوں سے انیسویں صدی میں یہ بات دریافت کی کہ انسانی جنین ارتقا کے مختلف مراحل کے ساتھ وقوع پذیر ہوتا ہے۔

پھر مصنف نے قرآن کی سورہ زمر کی آیت نمبر ۶ سے ''خلقا من بعد خلق فی ظلمات ثلث'' کی تشریح ''مادری شکمی دیوار، رحمی دیوار، غلاف جنین جھلی اور ان کی قدرے وضاحت کے ساتھ مکمل کی ہے۔

اسی کتاب میں انسان میں جنس کے تعین کے نام سے عنوان قائم کر کے تفصیل سے بحث کر کے یہ بتایا ہے کہ'' بچے کی جنس کے تعین میں مردانہ تولیدی مواد ہی ذمہ دار ہے، عورت کا اس میں کوئی قصور نہیں۔ص ۱۱۔

مصنف نے خود ہی کتاب کے تعارف کے بارے میں لکھا ہے کہ ''تقریبا ۲۶ رعناوین کے تحت اس موضوع پر علمی اور سائنسی معلومات دی گئی ہے، اس ضمن میں قرآن کریم کا سائنسی اعجاز سائنس دانوں کی نظر میں، موریس بوکائے، ڈاکٹر کیتھ مور، ڈاکٹر عبدالمجید زندانی کے بیانات کو لکھا گیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن اور جدید سائنسی علوم میں باہم کوئی تضاد نہیں، بلکہ وہ بالکلیہ صحیح ثابت ہو رہے ہیں۔(قرآن اور تخلیق انسانی۔ص ۱۰)۔

اس کتاب کے تعارف میں مشہور سائنس نگار ڈاکٹر شمس الاسلام فاروقی صاحب نے تحریر کیا ہے کہ'' مصنف نے پرانے اطبا جیسے فیثا غورث، حکیم بقراط، ارسطو، حکیم جالینوس اور گیالین کے نظریات کو نقل کیا ہے جو وہ مرد وعورت کے تخلیقی مادوں کے بارے میں رکھتے تھے، اس جائزے کے بعد جب قاری قرآن حکیم کی روشنی میں حقائق کا ادراک کرتا ہے تو وہ اس کے ایمان ویقین میں اضافہ کا باعث بنتے ہیں۔ حوالۂ بالا۔ص ۱۶۔

اس کتاب میں آج کے بہت سے سائنس دانوں کی حوصلہ افزا تقریظات اور ان کی تائید شامل ہے، جن میں مشہور سائنس داں اور عالمی شہرت یافتہ ڈاکٹر اقتدار حسین فاروقی موظف ڈپٹی ڈائریکٹر نیشنل باٹونیکل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ لکھنؤ۔ پروفیسر جمال نصرت صاحب موظف پروفیسر واٹر اینڈ لائینڈ منیجمنٹ انسٹی ٹیوٹ لکھنؤ۔ جناب عبدالودود انصاری سابق پرنسپل اردو میڈیم گورنمنٹ ٹیچرس ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ نالی کل، مغربی بنگال، ڈاکٹر عزیز عرشی موظف پرنسپل اسلامیہ کالج، ورنگل، تلنگانہ۔ وغیرہ حضرات شامل ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کی ایک اور کتاب؛ جو ابھی اشاعت کی منتظر ہے، اس کا نام ''سیلانی پرندے'' ہے۔

ڈاکٹر صاحب جہاں علم سائنس کے میدان میں ید طولی رکھتے ہیں، وہیں وہ اخلاق ومروت اور شرافت وپاکیزگی کے پیکر ہیں، طلبہ کی بہترین رہنمائی، علما کی قدردانی اور ان سے محبت ان کے دل میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے، ان سے جو ایک بار مل لے، اس نے گویا حسن اخلاق وشرافت کے مجسمے سے ملاقات کی، اور جس نے ان کی کتابیں اپنے مطالعے میں رکھی، اس نے گویا دین ودنیا کے علوم کے خزانے اپنے سینے میں جمع کر لیے۔ آپ کا یہاں موبائل نمبر بھی لکھا جارہا ہے تاکہ جو کوئی ان سے کسی علمی اور تصنیفی امور پر تبادلۂ خیال کرنا چاہے، یا ان سے کوئی رہبری کا خواست گار ہو، وہ ان سے رابطہ کر کے نفع اٹھا سکتا ہے۔ 9823784760۔ اللہ ان کی عمر میں برکت عطا فرمائے اور ان کے ذریعے پوری امت کو فائدہ پہنچائے۔

ڈاکٹر محمد انورالدین۔ اسسٹنٹ پروفیسر وصدر شعبۂ اردو گورنمنٹ ڈگری کالج، فلک نما، حیدرآباد

اردو سوانح نگاری کے ارتقا میں علامہ شبلیؔ نعمانی کا حصّہ

لفظ سوانح، سانحہ کی جمع ہے اور لغت میں سانحہ، صدمہ پہنچانے والے واقعے یا حادثے کو کہتے ہیں۔ اگرچہ سانحہ جب واحد بولا جاتا ہے تو وہ حادثے کے معنی دے گا لیکن لغت میں اس کے معنی واقعے کے بھی آئے ہیں۔ اس لحاظ سے سانحہ مطلقاً ناپسندیدہ واقعے پر ہرگز محمول نہ ہوگا بلکہ دیگر لغوی معنوں کے لحاظ سے واقعہ متصور ہوگا۔ اس طرح سانحہ کی جمع سوانح یعنی واقعات زندگی سمجھی جائے گی۔

اصطلاح میں سوانح Biography کے معنی میں مستعمل ہے۔ وہ اس طرح کہ Bio سے مراد حیات اور Graphy کا مطلب نگاری یا لکھنے کے آتے ہیں۔ اس طرح Biography سوانح عمری یا رودادِ زندگی قلم بند کرنے کا نام ہے۔

سوانح عمری لکھنے یا قلم بند کرنے کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں۔ ایک وہ جو خود اپنی آپ بیتی لکھے اسے Auto Biography یا خودنوشت سوانح کہا جاتا ہے جب کہ اپنی ذات کے علاوہ کسی اور کی زندگی کے حالات قلم بند کیے جائیں تو اسے محض سوانح نگاری کہیں گے۔

موضوع کے اعتبار سے سوانح نگاری کسی شخصیت کی حیات کا احاطہ کرتی ہے یعنی سوانح نگاری کا موضوع انسان ہے، جس میں انسان کے آباواجداد، والدین، بھائی بہنیں، ولادت، بچپن، لڑکپن، جوانی، تعلیم وتربیت، ملازمت، عقائد، شادی اور اہل وعیال کے علاوہ چہرہ بشرہ، قدوقامت، چال ڈھال، عادات واطوار، اخلاق وکردار نیز ذہنی وفکری صلاحیتوں کا بیان ہوتا ہے اور جن کی سوانح عمری لکھی جارہی ہے ان کے سماجی، سیاسی، تہذیبی، علمی، ادبی، معاشی اور فنی مقام ومرتبے کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ ویسے سوانح نگاری کے موضوعات کی کوئی قید نہیں لیکن بالعموم اکابرین امت، رہنمائے قوم، رہبروطن، مدبر زبان، محقق ونقاد، مشاق خطیب ومقرر، کہنہ مشق شاعروادیب اور جید فلسفی یا ماہرفن وغیرہ کی سوانح عمریاں ضبط تحریر میں لائی جاتی رہی ہیں یا پھران میں سے کوئی بھی خود اپنی خودنوشت سوانح یا آپ بیتی قلم بند کرسکتا ہے۔

غیر افسانوی ادب میں سوانح نگاری یا سوانح عمری کے مشابہ اور بھی اصطلاحات استعمال ہوئی ہیں لیکن خودنوشت سوانح کے ماسوا کوئی بھی اصطلاح سوانح عمری کے مقام ومرتبے تک نہیں پہنچ سکتی ہے، حالاں کہ ان مشابہ اصناف کے ناموں اور ان کی ہیئت کے لحاظ سے ان میں بھی سیرت، شخصیت اور کارناموں کے نقوش موجود تو ہوتے ہیں لیکن انھیں سوانح عمری نہیں کہہ سکتے۔ اصناف مشابہ کے زمرے میں تذکرے، روزنامچے، یادداشتیں، خاکے، سوانحی ناول، مثنویاں وغیرہ آتی ہیں۔

اردو میں سوانح نگاری کے نقوش ہمیں دکنی مثنویوں میں سیرت، تاریخ اور منقبت وغیرہ کی شکل میں ملتے ہیں لیکن باضابطہ سوانح نگاری کی روایت کا آغاز انیس ویں صدی کے اواخر میں مولانا الطاف حسین حالیؔ سے ہوتا ہے، جنھوں نے حیاتِ سعدی، یادگارِ غالبؔ اور حیاتِ جاوید جیسی تین سوانح عمریاں لکھ کر چار دانگ عالم میں شہرت پائی ہے۔ مولانا حالیؔ کے بعد اردو ادب میں علامہ شبلیؔ نعمانی نے اس صنف میں نہ صرف کمال حاصل کیا ہے بلکہ انھوں نے دین اسلام کی عظمت وبرتری کے لیے سوانح نگاری کی صنف میں قلم اٹھانے کی جسارت کرتے ہوئے

نمایاں تاریخی سوانح لکھی ہیں، اس طرح ''المامون'' ان کی پہلی سوانح عمری ہے جو عباسی خلیفہ ہارون الرشید کے جانشین حضرت مامون کی سوانح حیات پر منحصر ہے جس میں ان اعتراضات کا بھی جواب موجود ہے جو مسٹر پامر نے اپنی تصنیف ہارون الرشید میں کیے تھے۔ اس طرح المامون ۱۹۸۷ء میں شائع ہو کر سوانحی ادب میں نام ورانِ اسلام کے سلسلے کی پہلی کڑی ثابت ہوئی۔ سید سلیمان ندوی نے تو اسے تاریخ بنی العباس کا نچوڑ کہا ہے۔

علامہ شبلی نعمانی کی دوسری اہم سوانح ''سیرت النعمان'' دراصل فقہ حنفی کے بانی وامام حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کی حیات مبارکہ اور ان کی دینی و علمی خدمات کا احاطہ کرتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ علامہ شبلی نعمانی سیرت النعمان سے پہلے ''الفاروقؓ'' مکمل کرنا چاہتے تھے لیکن الفاروق کے لیے درکار مواد انھیں یورپ سے ملنے والا تھا جس کے انتظار میں وقت صرف کیے بغیر انھوں نے سیرت النعمان لکھنا شروع کر دیا۔ اس طرح یہ سوانح ۱۸۹۱ء میں علی گڑھ کالج سے شائع ہو کر منظر عام پر آئی۔ الفاروق کے متعلق تاریخ ادب اردو جلد چہارم حصہ دوم میں ڈاکٹر جمیل جالبی یوں رقم طراز ہیں:

''اس تصنیف کا پہلا حصہ ۱۸۸۹ء میں اور دوسرا حصہ ۱۸۹۰ء میں لکھا گیا اور یہ کتاب ۱۸۹۱ء میں علی گڑھ کالج کی طرف سے چھپ کر شائع ہوئی۔ اس میں امام اعظم ابو حنیفہؒ کی سوانح عمری اور ان کے اجتہادات و مسائل کو موضوع مطالعہ بنایا گیا ہے۔'' ص ۱۰۷۲

شبلی نے تیسری اور اہم سوانح عمری خلیفہ ثانی سیدنا عمر ابن خطابؓ پر لکھی ہے۔ جتنی بھی سوانح عمریاں لکھی گئی ہیں ان میں سیرت حضرت عمر فاروقؓ المعروف بہ ''الفاروق'' اپنے مواد کی تشکیل اور سوانح نگارانہ تکنیک کی ساری خوبیوں کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ اس سلسلے میں انھیں ممالکِ روم و شام کے بارہا سفر کرنے پڑے۔ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ شبلی کے فنی شعور کی پختگی کا مظہر ان کی سوانح ''الفاروق'' ہے۔ چناں چہ پروفیسر محمد نسیم الدین فریس اپنے مضمون 'شبلی کی سوانح نگاری' میں لکھتے ہیں:

''انھوں نے اس سے قبل جو سوانح عمریاں لکھی تھیں ان میں انھوں نے مورخ اور سوانح نگار کے درمیان فرق کو ملحوظ نہیں رکھا لیکن 'الفاروق' میں وہ مورخ نہیں بلکہ ایک اچھے سوانح نگار کے روپ میں نظر آتے ہیں۔''

یہ سوانح دو حصوں پر مشتمل ہے پہلے حصے میں فاروق اعظمؓ کی سوانح، خلافت و فتوحات کی تفصیلات ہیں جب کہ دوسرے حصے میں ان کے نظام حکومت، ملک کی تقسیم، صیغۂ محاصل، صیغۂ عدالت، فوج داری، بیت المال، صیغۂ فوج، صیغۂ مذہبی، صیغۂ تعلیم، ذمی رعایا کے حقوق، غلامی کے انسداد کی کوشش، سیاست و تدبیر امامت و اجتہاد، ذاتی حالات و کوائف، عدل و انصاف وغیرہ کو نہایت ہی چابک دستی سے پیش کیا ہے۔

شبلی نے ''الفاروق'' کے بعد دو مشاہیر کی سوانح عمریاں لکھی ہیں جن میں حضرت امام غزالیؒ کی سوانح حیات ''الغزالی'' اور دوسرے حضرت مولانا روم کی سوانح عمری ''سوانح مولانا روم'' بے حد مقبول ہوئیں، جن میں انھوں نے صاحب سوانح کے حالات کم اور ان کی تصانیف پر مفصل تبصرے کیے ہیں۔

شبلی نعمانی نے آخری سوانح عمری پیغمبر آخر الزماں، خاتم النبیین، رحمت عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ پر ''سیرت النبیؐ'' کے نام سے لکھی ہے۔ انھیں مدتوں پہلے اس خیال کو عملی جامہ پہنانے کی سوجھی تھی لیکن اپنے عصیان بسیار اور علمی کم مائگی نے انھیں اس معرکتہ آرا کاوش سے باز رکھا تھا، لیکن جب انھیں یورپ کے مورخین کی غلط بیانیوں کا پتا چلا تو انھوں نے تہیہ کر لیا کہ اس کے سدباب کے لیے ایک ایسا جامع اور مستند مواد تیار کروں گا جس سے نئی نسل کے ذہنوں پر یورپی مصنفوں کی زہر آلود شرارتیں واہو جائیں اور نئی نسل کو صحیح معلومات پہنچائی جائیں، چناں چہ علامہ شبلی نے ایسا ہی کیا اور دلائل و براہین کی روشنی میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے سادہ واقعات سے اجتناب کرتے ہوئے مکمل سوانح حیات لکھنا چاہتے تھے جس میں ہر قسم کے مسائل زیر بحث لائے جائیں اور پیغمبر آخر الزماں ﷺ کی مکمل سیرت طیبہ

سامنے لانے کے ساتھ ساتھ عیسائی مورخین کے اعتراضات کا مدلل جواب اور ان کے متعصبانہ الزمات کی تردید ثابت ہوسکے اوراس مہتم بالشان کاز کے لیے انھیں بڑی محنت اور جاں فشانی، وسیع معلومات، سوانحی آ گہی، تاریخی شواہد، تصنیفی تجربہ اور تنقیدی بصیرت کی اشد ضرورت درکار تھی، جو علامہ شبلی نعمانی میں بدرجہ اتم موجود تھی، چناں چہ انھوں نے کام کی ابتدا کی اور دو جلدیں بہ آسانی لکھ ڈالیں مگر پروانہ اجل کی دستک نے انھیں سنبھلنے نہیں دیا۔ اس طرح بقیہ چار جلدوں کو ان کے شاگرد رشید علامہ سید سلیمان ندوی نے عین شبلی کی فرمائش اور وصیت کے مطابق پایہ تکمیل کو پہنچایا۔

اس طرح شبلی نے المامون، سیرت النعمان، الفاروق، الغزالی، سوانح مولانا روم اور سیرت النبی ﷺ جیسی مایہ ناز سوانح عمریاں لکھ کر اردو کے غیر افسانوی ادب میں سوانح نگاری کے ایک نئے باب کا آغاز کیا۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ سوانح نگاری کے اولین نقوش ہمیں دکنی مثنویوں میں ملتے ہیں جن میں سوانحی عناصر کے اعتبار سے فیروز کی مثنوی پرت نامہ، حسن شوقی کی مثنوی فتح نامہ نظام شاہ، عبدل بیجاپوری کی مثنوی ابراہیم نامہ، افضل کی مثنوی محی الدین نامہ، نصرتی کی مثنوی علی نامہ وغیرہ اہمیت کی حامل ہیں۔ ان کے علاوہ شعرا اردو کے تذکروں میں بھی جا بہ جا سوانحی اشارے ملتے ہیں۔ محمد حسین آزاد کی آب حیات، سرسید کی تصانیف آثار الصنادید، خطبات احمدیہ اور سیرت فریدیہ میں واضح طور پر سوانحی نقوش ملتے ہیں لیکن اردو میں باقاعدہ سوانح نگاری کا آغاز حالی اور شبلی سے ہوتا ہے۔ اس طرح بھی حالی اور شبلی ہندوستان کے دو بلند مرتبت سوانح نگار کے روپ میں سامنے آتے ہیں اور ان کے بعد سوانح نگاری، سوانح حیات، خود نوشت سوانح، آپ بیتی اور زندگی ناموں کا سفر چل پڑا اور یہ سلسلہ تاہنوز جاری و ساری ہے۔ یہاں تک کہ شیخ محمد اکرم نے ''شبلی نامہ'' کے نام سے علامہ شبلی نعمانی کی زندگی کا نئی جہت سے مطالعہ کیا ہے۔ اس طرح اردو سوانح عمریوں کے ارتقا میں علامہ شبلی نعمانی کی سوانح عمریاں اپنا ایک مقام رکھتی ہیں۔

بقیہ، ص: ۳۹ کا

جناب رحیم الدین انصاری صاحب صدر نشین تلنگانہ اردو اکیڈیمی نے کہا کہ اردو اکیڈیمی فروغ اردو کی مختلف اسکیمات پر عمل کر رہی ہے۔ اور وہ اردو زبان کے فروغ کی پابند ہے۔ طالبات کو مشورہ دیا کہ وہ محنت اور استقلال سے علم حاصل کریں گی تو انہیں کامیابی کی شکل میں اچھے نتائج حاصل ہوں گے۔ پروفیسر مظفر علی شہ میری وائس چانسلر اے پی اردو یونیورسٹی نے اپنے کلیدی خطبے میں سمینار کے موضوع اردو کی شعری اصناف کو وقت کی اہم ضرورت قرار دیا۔ انہوں نے شاعری کی مختلف اصناف کی فنی خوبیوں پر اظہار خیال کیا انہوں نے رباعی اور قطعہ کے فرق کو واضح کیا اور کہا کہ رباعی میں پہلے دو اشعار یکساں نوعیت کے ہوتے ہیں اور چوتھے مصرعے میں بات کو انجام تک پہونچایا جاتا ہے جب کہ قطعات میں مصرعوں کے آگے بڑھنے کے ساتھ خیال بھی آگے بڑھتا جاتا ہے انہوں نے جاپانی صنف ہائیکو کی مثال دی اور کہا کہ اس میں تصویر کشی ہوتی ہے لیکن اردو شعرا ہائیکو کے فن کو درست استعمال نہیں کر رہے ہیں انہوں نے کہا کہ ماضی کی طرح اردو غزل آج بھی اردو شاعری کی جان ہے۔ کلیدی خطبے کے بعد مہمانوں کے ہاتھوں شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ حیدرآباد کے ماہنامہ صدائے شبلی کے تازہ رسالے کا اجراء کیا گیا۔ اس کے مدیر ڈاکٹر محامد ہلال اعظمی ہیں اور مجلس انتظامی میں ڈاکٹر عبدالقدوس کنوینر سمینار ہیں۔ ڈاکٹر ہربنس کور پرنسپل کالج نے اپنے خطاب میں دوہے کی روایت پیش کی اور کہا کہ اردو اور ہندی دو بہنیں ہیں اور اردو شاعری کی مختلف اصناف میں اردو ہندی کے الفاظ کا تبادلہ ملتا ہے۔ نماز اور ظہرانے کے بعد دو روزہ قومی اردو سمینار کے پہلے ٹیکنیکل سیشن کا سرسید ہال میں آغاز ہوا۔ جس کی صدارت ڈاکٹر معید جاوید اور ڈاکٹر رفیعہ سلیم نے کی۔ جب کہ نظامت کے فرائض محمد خوشتر نے انجام دیئے۔ ڈاکٹر حامد مہتاب، ڈاکٹر محمد اسرار الحق سبیلی، ڈاکٹر محمد اسلم فاروقی نے، ڈاکٹر حمیرہ سعید، ڈاکٹر محمد عظمت اللہ، ڈاکٹر محمد کاشف، ڈاکٹر رؤف خیر، ڈاکٹر حمیرہ، ڈاکٹر ریحانہ سلطانہ، ڈاکٹر جبین تاج مانو، ڈاکٹر بدر سلطانہ مانو، ڈاکٹر حمیرا نوشین، ڈاکٹر سمیہ تمکین امبیڈکر یونیورسٹی، پرشوتم ریسرچ اسکالر اور ابوہریرہ یوسفی وغیرہ شامل تھے۔ سیشن کی صدر ڈاکٹر رفیعہ نوشین نے۔ سمینار کے دوسرے ٹیکنیکل سیشن کی صدارت ڈاکٹر محمد ناظم علی ڈاکٹر محمد رفیق، ڈاکٹر اسرار الحق سبیلی نے کی۔ اس سیشن میں ڈاکٹر عبدالغنی سنسکرت ریسرچ اسکالر، افضال راشد، ڈاکٹر محمد ابرار الباقی، آزاد نظم، ڈاکٹر محمد نظام الدین، اردو غزل کا فن ناہیدہ بیگم وغیرہ کے مقالے پیش کئے گئے۔ ٹیکنیکل سیشن کے اختتام کے بعد مہمانوں کے ہاتھوں تمام مقالہ نگاروں کو سند مومنٹو اور شال پیش کی گئی۔ ڈاکٹر عبدالقدوس کی جانب سے سمینار کے کامیاب انعقاد پر ان کی شال پوشی کی گئی۔ آل انڈیا ریڈیو حیدرآباد کی جانب سے اس سمینار کی مکمل کاروائی کو ریکارڈ کیا گیا جسے بہت جلد آل انڈیا ریڈیو پر پیش کیا جائے گا۔ سمینار کے دوسرے دن اختتامی اجلاس منعقد ہوا۔ جس میں کالج کی طالبات نے اپنے مقالے پیش کئے۔ ڈاکٹر مصطفی کمال۔ ڈاکٹر مختار احمد فردین۔ ڈاکٹر ہربنس کور نے اختتامی اجلاس سے خطاب کیا۔ اور سمینار کے انعقاد میں تعاون پیش کرنے پر قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان دہلی اور اردو اکیڈیمی تلنگانہ اسٹیٹ کا شکریہ ادا کیا۔ ڈاکٹر عبدالقدوس نے سمینار میں شرکت کرنے والے سبھی مہمانوں، اساتذہ، ریسرچ اسکالرز، کالج کی طالبات اور عملے کا شکریہ ادا کیا۔

ظفرالاسلام۔ ریسرچ اسکالر، شعبۂ اردو، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

نیا قانون ایک مطالعہ

سعادت حسن منٹو کا شمار اردو کے بلند پایہ افسانہ نگاروں میں کیا جاتا ہے۔ ان کے ۲۲ افسانوی مجموعے ہیں۔ منٹو نے مجموعی طور پر ۲۳۰ افسانے مختلف موضوعات پر تحریر کیے ہیں۔ بابو گوپی ناتھ، ٹوبہ ٹیک سنگھ، ہتک، بو، کالی شلوار، ٹھنڈا گوشت، موذیل، سیاہ حاشیے اور نیا قانون ان کے مشہور اور قابل ذکر افسانے ہیں۔ منٹو کے بارے میں یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ان کا دائرہ کار محدود ہے۔ وہ فقط جنس، طوائف اور فسادات کو اپنا موضوع بناتے ہیں لیکن اگر گہرائی سے ان کی تخلیقات کا مطالعہ کیا جائے تو یہ الزامات بے بنیاد نظر آتے ہیں۔ منٹو نے سب سے پہلے بھوک کو اپنے افسانوں کا موضوع بنایا بعد میں وہ جنس کی طرف آ گئے۔

''نیا قانون'' ان کے مجموعے ''منٹو کے افسانے'' میں شامل ہے، اس کی اشاعت ستمبر ۱۹۴۱ء میں 'مکتبہ اردو' لاہور سے ہوئی۔ افسانے کا خاص کردار 'منگو' کوچوان ہے۔ وہ ایک ان پڑھ شخص ہے لیکن اپنی عقلمندی کی وجہ سے برادری اور ساتھیوں میں عزت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنی سواریوں کی گفت وشنید کو خوب غور سے سنا کرتا اور اس سے جو کچھ اخذ کرتا اسے بطور خبر اپنے ساتھیوں کو سنا دیا کرتا تھا۔ اس کو انگریزوں سے شدید نفرت ہے۔ اس کا سیاسی شعور بیدار ہے۔ اسے اس بات کا احساس ہے کہ وہ غلام قوم کا فرد ہے، جس کے سبب اس کے دل میں نفرت کا سمندر گھر کر گیا ہے۔ ایک دن اسے تانگے کی سواریوں کی گفتگو کے ذریعے کسی نئے قانون یعنی 'انڈیا ایکٹ' کا علم ہوا۔ اسے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ یکم اپریل کو وہ اور اس کا ملک آزاد ہو جائے گا۔ لہٰذا اس خبر کو وہ اپنے ساتھیوں کو سنانے کے لیے بے قرار ہو گیا بالآخر اپنے دوست نتھو گنجے کو سنا کر دل کا بوجھ ہلکا کیا۔ منگو کے دل میں یہ بات بیٹھ چکی تھی کہ پہلی اپریل کو سب کچھ بدل جائے گا۔ بڑے انتظار کے بعد یکم اپریل کا سورج طلوع ہوا۔ منگو صبح ہی تانگے پر سوار ہو کر گھر سے نکلا تاکہ شہر کا بدلا ہوا حال دیکھ سکے لیکن اسے شہر میں کوئی خاص تبدیلی نظر نہیں آئی۔ سواری کی تلاش میں گھومتے گھومتے وہ کچہری کے پاس پہنچا، وہاں ایک انگریز (سواری) نے اسے آواز لگائی، اس کے پاس جانے پر اسے یاد آیا کہ ایک برس قبل ہماری آپس میں تکرار ہو چکی ہے، وہ اس سے حقارت بھرے لہجے میں پوچھتا ہے کہاں جانا ہے؟ اس درمیان انگریز نے بھی منگو کو پہچان لیا اور کہا 'پچھلی بار کی طرح کرایہ پر اعتراض تو نہیں کرے گا' اور اس نے اپنی چھڑی سے منگو کو نیچے اترنے کا اشارہ کیا۔ انگریز کا یہ رویہ اس کے دل پر سخت ناگوار گذرا لہٰذا اس نے تانگے سے اتر کر انگریز کو بے تحاشہ پیٹنا شروع کر دیا۔ گورے نے بچنے کی ہر ممکن کوشش کی مگر منگو کے مضبوط گھونسوں سے نہ بچ سکا۔ دیکھتے ہی دیکھتے سڑک پر لوگوں کا ہجوم اکٹھا ہو گیا اور پولیس اسے پکڑ کر تھانے لے گئی۔ وہ راستے بھر نیا قانون، نیا قانون چلاتا رہا مگر کسی نے اس کی ایک نہ سنی۔

منٹو اپنے افسانوں کا موضوع اپنے عہد اور زمانے سے اخذ کرتے ہیں۔ جب ۱۹۳۵ء کا گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ منظور ہوا تو منٹو نے افسانہ ''نیا قانون'' لکھ کر اس کا استقبال کیا۔ اس افسانے کا موضوع آزادی کا جذبہ، انقلاب کی حرارت اور نئے قانون کے بعد ہونے والی ملک میں تبدیلی ہے۔ کیا نیا قانون نافذ ہونے کے بعد ملک کے حالات بدل گئے؟ منگو کی زبان سے منٹو نے ملک میں رائج قوانین پر تیکھا طنز کیا ہے۔

افسانے کا پلاٹ سیدھا سادہ اور آسان ہے۔ افسانہ

پڑھنے کے دوران قاری کو کہیں بھی مشکلات کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ کہانی روایتی انداز میں آگے بڑھتی ہے اور قاری کا تجسس پوری کہانی میں برقرار رہتا ہے۔ بیچ میں کچھ ایسے واقعات بھی آگئے ہیں جو اگر نہ بھی ہوتے تو کہانی کی مقبولیت میں کوئی اثر نہ آتا۔

اس افسانے میں کردار نگاری کی بھی عمدہ مثالیں دیکھنے کو ملتی ہیں۔ منٹو اپنے افسانوں کے کردار اور ان کی نفسیات سے پوری طرح واقف ہیں۔ حالاں کہ ان کے کردار اکثر سماج کے دبے کچلے اور کمزور فرد ہی ہوا کرتے ہیں۔ مگر یہ اتنے جاندار اور مضبوط ہوتے ہیں کہ قاری کے دل میں ان سے ہمدردی کا جذبہ خود بخود پیدا ہو جاتا ہے۔ منٹو اپنے کرداروں کا تعارف دل کش انداز میں کرتے ہیں جو قاری پر ایک مکمل نقش چھوڑ جاتے ہیں۔ افسانے کے مرکزی کردار "منگو کوچوان" کے علاوہ کچھ ضمنی کردار بھی ہیں جو کہانی کو آگے بڑھانے میں مدد کرتے ہیں۔ ان میں منگو کا دوست 'نتھو گنجا' جسے منگو اپنے دل کی باتیں سناتا ہے۔ 'گاما چودھری'، 'دینا حلوائی'، منگو کی بیوی۔ مارواڑی جو مقدمے کے سلسلے میں دیوانی آتے ہیں۔ کالج کے طلبہ جو نئے قانون کے ضمن میں اپنے روشن مستقبل کا خواب دیکھتے ہیں۔

افسانے میں مکالمے کم ہیں، اور جو ہیں وہ زیادہ تر منگو کی زبان سے ادا کیے گئے ہیں۔ افسانے کا سب سے اہم نکتہ، جس پر افسانے کی بنیاد واقع ہے ملاحظہ کریں:

"دو مارواڑی جو کچہری میں اپنے دیوانی مقدمے کے سلسلے میں آئے تھے گھر جاتے ہوئے جدید آئین یعنی انڈیا ایکٹ کے متعلق آپس میں بات چیت کر رہے تھے۔ سنا ہے پہلی اپریل سے ملک میں نیا قانون چلے گا کیا ہر چیز بدل جائیگی ،،، ہر چیز تو نہیں بدلیگی مگر کہتے ہیں بہت کچھ بدل جائیگا، اور ہندوستان کو آزادی مل جائے گی۔"

اس واقعہ کے تیسرے روز منگو اپنے تانگے میں گورمنٹ کالج کے تین طلبہ کو بٹھا کر مزنگ جا رہا تھا وہ آپس میں نئے قانون سے متعلق باتیں کر رہے تھے۔

"قانون نے میری امیدیں بڑھا دی ہیں ۔۔۔ ۔۔۔۔۔۔ اگر صاحب اسمبلی کے ممبر ہو گئے تو سرکاری دفتر میں ملازمت ضرور مل جائے گی۔"

"ویسے بھی بہت سی جگہیں اور نکلیں گی۔ شاید اسی گڑبڑ میں ہمارے ہاتھ بھی کچھ آجائے۔"

"ہاں ہاں کیوں نہیں۔ وہ بے کار گریجویٹ جو مارے مارے پھر رہے ہیں ان میں کچھ تو کمی ہوگی۔"

افسانے میں پیش کی گئی جذبات نگاری ہے محض کرداروں کی جذبات نگاری نہیں ہے بلکہ منٹو اپنے کرداروں کے ذریعے پورے سماج کے جذبات کی عکاسی کر رہے ہیں۔ منگو اکثر جگہوں پر جذباتی نظر آتا ہے۔ اس افسانے میں انگریزوں کے خلاف اس کا جذباتی انداز اور نفرت دیکھنے کے لائق ہے۔ ان کے رنگ اور جلد تک سے اس کو گھن ہے۔ اقتباس دیکھیں:

"قسم ہے بھگوان کی لاٹ صاحبوں کے ناز اٹھاتے اٹھاتے تنگ آ گیا ہوں۔ جب کبھی ان کا منحوس چہرہ دیکھتا ہوں رگوں میں خون کھولنے لگ جاتا ہے۔ کوئی نیا قانون وانون بنے تو ان لوگوں سے نجات ملے۔ تیری قسم جان میں جان آجائے۔"

منگو کے ذہن میں یہ بات لاشعوری طور پر بسی ہوئی ہے کہ انگریز اگر ہندوستان سے چلے بھی گئے تو ہندوستان غلام ہی رہے گا۔ وہ اکثر اپنے ساتھیوں سے گفتگو کے دوران کہتا ہے۔ انگریز چلا جائے گا تو کوئی اٹلی والا آجائے گا یا روس والا آجائے گا جس کے بابت میں نے سنا ہے کہ بڑا تگڑا آدمی ہے لیکن ہندوستان سدا غلام ہی بنا رہے گا۔ شاید اس کے ذہن میں یہ بات بھی رہی ہو کہ محمود غزنوی، مغل اور پھر انگریز، ہندوستان پر اکثر غیر ملکیوں نے ہی حکومت کی ہے۔ ان باتوں سے منگو کے جذبات اور فکر کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے ملک اور اس پر حکومت کرنے والے انگریزوں کے تعلق سے کیا جذبات رکھتا ہے۔

افسانے میں کہاوتوں اور محاوروں کا استعمال جا بجا طور پر کیا گیا ہے۔ منگو ایک بار حالات حاضرہ پر گفتگو کرتے ہوئے کہتا ہے۔ یہ کسی پیر کی بد دعا کا نتیجہ ہے کہ آئے دن ہندوؤں اور

مسلمانوں میں چاکو چھریاں چلتی رہتی ہیں۔ میں نے اپنے بڑوں سے سنا ہے کہ اکبر بادشاہ نے کسی درویش کا دل دکھایا تھا اور اس درویش نے جل کر یہ بددعا دی تھی، جا تیرے ہندوستان میں ہمیشہ فساد ہی ہوتے رہیں اور پیر نے یہ بددعا بھی دی تھی کہ ہندوستان پر ہمیشہ باہر کے آدمی راج کرتے رہیں۔ دوسری جگہ منگو کہتا ہے۔

''آگ لینے آئے تھے اب گھر کے مالک ہی بن گئے ہیں۔ ناک میں دم کر رکھا ہے ان بندروں کی اولاد نے رعب گانٹھتے ہیں گویا ہم ان کے باوا کے نوکر ہیں۔''

ایک جگہ کہتا ہے۔

''غریبوں کی کھٹیا میں گھسے ہوئے کھٹمل، نیا قانون ان کے لیے کھولتا ہوا پانی ہوگا۔''

افسانے میں عمدہ منظر نگاری بھی دیکھنے کو ملتی ہے۔ منٹو اپنے افسانوں میں حقیقت کی بھرپور تصویر کشی کرتے ہیں۔ منگو نے جب یہ سنا کہ یکم اپریل کو سب کچھ بدل جائے گا۔ تو وہ اس دن کا شدت سے انتظار کرنے لگا۔ آخر انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں اور یکم اپریل کی صبح نمودار ہوئی، بیدار ہوتے ہی وہ شہر کے مشاہدے کے لیے سڑک پر نکل پڑا مگر اسے کہیں کوئی تبدیلی نظر نہیں آئی۔ سب کچھ بالکل ویسا ہی نظر آیا جیسا پہلے تھا۔ افسانے کی عبارت ملاحظہ ہو:

''اس نے صبح کے سرد دھندلکے میں کئی تنگ اور کھلے بازاروں کا چکر لگایا۔ مگر اسے ہر چیز پرانی نظر آئی۔ اس میں کون سی چیز نئی تھی ظاہر ہے کوئی بھی نہیں۔ بازار کی آدھی دکانیں کھل چکی تھیں، اور اب لوگوں کی آمدورفت بڑھ گئی تھی۔ حلوائی کی دکانوں پر گاہکوں کی خوب بھیڑ تھی، نہاری والوں کی نمائشی چیزیں شیشے کی الماریوں میں لوگوں کو دعوت نظارہ دے رہی تھیں اور بجلی کے تاروں پر کئی کبوتر آپس میں لڑ جھگڑ رہے تھے۔ مگر استاد منگو کے لیے ان تمام چیزوں میں کوئی دلچسپی نہ تھی۔۔۔۔ وہ نئے قانون کو دیکھنا چاہتا تھا۔''

جزئیات نگاری کا استعمال بھی افسانے میں بڑی خوبصورتی کے ساتھ کیا گیا ہے۔ افسانہ نگار جن نکات کا ذکر کرتا ہے وہ تمام نکات ہماری آنکھوں کے سامنے آجاتے ہیں۔ منٹو کی خاص بات یہ ہے کہ جب وہ کسی موضوع پر لکھتے ہیں تو اس کے ہر ہر پہلو کو بیان کر دیتے ہیں۔ اس افسانے میں منٹو نے مرکزی کردار منگو سے متعلق تمام چیزوں کا بیان خوبصورتی سے کیا ہے۔

افسانے میں عام اور سہل زبان کا استعمال کیا گیا ہے۔ افسانہ پڑھنے میں کہیں بھی مشکل الفاظ نظر نہیں آتے۔ محاوروں اور کہاوتوں کا استعمال اکثر جگہوں پر کیا گیا ہے۔ یہ افسانہ بیانیہ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ چند مکالموں کے علاوہ پورا افسانہ بیانیہ طرز پر لکھا گیا ہے۔

افسانے کا اختتام المیہ انداز میں ہوا ہے۔ منگو ''نئے قانون'' کے جوش میں انگریز کو جی بھر پیٹ کر کہتا ہے۔ پہلی اپریل کو بھی وہی اکڑفوں اب ہمارا راج ہے بچہ وہ دن ہوا ہوئے جب خلیل خان فاختہ اڑایا کرتے تھے۔ بیچارے منگو کو یہ بات معلوم نہ تھی کہ قانون میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی ہے۔ یہ احساس اسے تب ہوا جب ایک گورے کے پیٹنے کے جرم میں تھانے لے جایا گیا، راستے اور تھانے کے اندر وہ نیا قانون، نیا قانون چلاتا رہا مگر کسی نے اس کی ایک نہ سنی۔ پولیس والے نے کہا۔

''نیا قانون، نیا قانون کیا بک رہے ہو، قانون وہی پرانا ہے اور اس کو حوالات میں بند کر دیا جاتا ہے۔''

اس افسانے کے ذریعہ منٹو نے سماج اور اس کے قوانین پر گہرا طنز کیا ہے۔ منگو کوچوان دراصل غلامی میں پسنے والی قوم کا ایک ایسا فرد ہے جو کہ آزاد فضا میں سانس لینے کا خواہش مند ہے۔ جس کے اپنے کچھ خواب ہیں۔ آزادی کے خواب، امن کے خواب، محبت کے خواب، لیکن انگریزی قانون اس کے خواب کو کچل کر اسے بنیادی حق سے بھی محروم کر دیتا ہے۔ یعنی اس ملک میں آزادی سے قبل اور آزادی کے بعد غریبوں کے لیے کوئی قانون نہیں ہے۔

اس افسانے سے قاری کو یہ نصیحت بھی ملتی ہے کہ، محض سنی سنائی باتوں پر فوراً یقین کرنا اور جذباتی قدم اٹھالینا حماقت، بیوقوفی اور خود کو مصیبت میں گرفتار کرنا ہے۔

محمد طارق ۔ ریسرچ اسکالر شعبہ مطالعات ترجمہ، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

علمی ترجمہ: ایک تعارف

تاریخ انسانی شاہد ہے کہ علوم وفنون کی ترقی سارے خطۂ ارضی میں کبھی بھی یکساں طور پر نہیں ہوئی۔ مختلف ادوار میں مختلف قوموں نے میدان علم میں الگ الگ کارنامے انجام دیے۔ لیکن یہ علمی میراث اس مخصوص قوم کے پاس اسی وقت تک محدود رہی ہے جب تک کہ ان علوم وفنون کا دوسری زبانوں میں ترجمہ نہیں کیا گیا۔ ترجمے کے بعد علوم وفنون کے دروازے دوسری زبان جاننے والوں کے لیے بھی کلی طور پر کھل گئے۔ عہد عباسی میں مسلمانوں نے دنیا کی مختلف زبانوں۔ یونانی، سریانی، سنسکرت، فارسی۔ میں موجود علوم وفنون کو عربی زبان میں منتقل کیا۔ مادری زبان میں علوم کی منتقلی کے بعد ہی ان میں بلند پایہ علماء، مفکرین، سائنس داں اور ماہرین طب پیدا ہوئے۔ اہل یورپ نے بھی عربوں کی علمی وسائنسی ترقی سے بھر پور استفادہ کیا۔ راجر بیکن نے بغداد اور اسپین میں موجود سائنسی سرمایہ فکر کو یورپ کے دیگر مقامات تک منتقل کیا۔ سائنسی میدان میں مسلمانوں کی جانب سے پروان چڑھائی گئی تجربی فکر نے یورپی سائنس کی نشاۃ ثانیہ کی بنیاد ڈالنے میں اہم کردار ادا کیا۔ مثال کے طور پر بوعلی سینا کی کتاب القانون یورپی جامعات میں میڈیسن کے نصاب میں پانچ سو سال تک شامل رہی۔

قوموں کی ترقی میں ترجمہ بہت اہم رول ادا کرتا ہے۔ یہی وہ وسیلہ ہے جس کے ذریعہ دوسری زبانوں میں موجود علوم و فنون تک ایک ایسے شخص کی رسائی بھی ممکن ہو پاتی ہے جو اپنی مادری زبان کے علاوہ کوئی دوسری زبان نہیں جانتا۔ اگر کوئی مترجم اس شخص کی مادری زبان مین دوسری زبانوں سے ترجمہ کردے تو پھر وہ بھی نئے علوم وفنون کی باریکیوں سے آگاہ ہو کر قوم کی ترقی میں حسب استعداد ہاتھ بٹا سکتا ہے۔ کسی زبان کی بلندی کا راز اس بات میں پوشیدہ ہوتا ہے کہ اس زبان کا علمی مقام ومرتبہ کیا ہے، علوم وفنون کی کتنی کتابیں موجود ہیں، علمی مضامین بیان کرنے کی قوت کتنی ہے۔ موجودہ عہد میں انگریزی کو بین الاقوامی رابطہ کی زبان کا درجہ حاصل ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اس میں دنیا بھر کے علوم وفنون سے متعلق کتابیں موجود ہیں اور ان میں روز افزوں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ مختلف النوع موضوعات پر کتابوں کی موجودگی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس زبان میں ہر قسم کے علمی وفنی مباحث کیے جاسکتے ہیں۔ دانشوران اردو نے بھی اس بات کو محسوس کیا تھا کہ زبان اور قوم کی ترقی کا راز علمی وفنی معلومات پر ہی منحصر ہے۔ اردو کا ابتدائی سرمایہ شعر وشاعری اور فکشن یا داستانوں پر مشتمل تھا۔ لیکن جب اردو زبان نے ہندوستان بھر میں مقبولیت حاصل کی اور عام طور پر بولی لکھی اور پڑھی جانے لگی تو یہ ضروری ہوگیا کہ علوم بھی منتقل کیے جائیں، جس کا آسان طریقہ یہ تھا کہ دوسری زبانون سے علوم وفنون کی کتابیں اردو میں ترجمہ کی جائیں؛ تاکہ اردو بولنے والے لوگ بھی دوسری قوموں کے شانہ بشانہ چل سکیں۔

علمی ترجمہ سے مراد علمی تحریر کا ترجمہ ہے۔ اس میں تمام سائنسی علوم وفنون جغرافیہ، تاریخ، ریاضیات معاشیات، قانون، طبعیات، سیاسیات، انجینئرنگ اور میکانیات کی کتابیں شامل ہیں۔

ترجمہ کی دوسری شاخوں کی طرح علمی ترجمہ کی بھی الگ شناخت اور منفرد خصوصیات ہیں جن سے واقفیت کے لئے

ہمیں علمی ترجمہ کے طریقہ کار کو سمجھنا ہوگا۔علمی ترجمہ کے لئے جو طریقہ کار اختیا کیا جاتا ہے اس کو ہم لفظی ترجمہ سے تعبیر کرتے ہیں۔جب ہم ان تصورات کے ساتھ ترجمہ کرتے ہیں کہ مترجم اصل مصنف کی تصنیف کا امین ہے، اصل متن میں موجود معلومات کو ایک لسانی گروہ سے دوسرے لسانی گروہ تک من وعن پہونچانا اس کی ذمہ داری ہے،تو ایسی صورت میں لفظی ترجمہ کو ترجیح حاصل ہوتی ہے۔اس قسم کے ترجمہ میں دیانت داری کے زیادہ امکانات ہوتے ہیں،اس لئے لفظی ترجمہ کو دیانت دارانہ Faithful 'ترجمہ کہتے ہیں۔بہت سے ماہرین ترجمہ نگاری لفظی ترجمہ کی ہی حمایت کرتے ہیں۔علمی ترجمے میں تمام سائنسی وعمرانی علوم وفنون کی کتابیں آتی ہیں۔اوران میں عام طور سے مخصوص اور متعین الفاظ اور اصطلاحیں استعمال ہوتی ہیں۔علمی ترجمہ میں مترجم کو اصطلاحات سے سابقہ پڑتا ہے۔اگر اس اصطلاح کا متبادل ہدفی زبان میں موجود ہوتو بڑی آسانی کے ساتھ اسے استعمال کیا جاسکتا ہے لیکن اگر اصطلاح نئی ہوتو مترجم کو وضع اصطلاحات کے فرائض بھی انجام دینے پڑتے ہیں۔اصطلاحات وضع کرتے وقت اس بات کا خاص خیال رکھا جاتا ہے کہ اصطلاحیں مسلمہ اصولوں کے مطابق وضع کی جائیں۔نیز ایک اصطلاح کو ایک جگہ جس معنی میں استعمال کیا جائے آئندہ پوری تحریر میں اسی معنی میں استعمال کیا جانا چاہئے تاکہ ترجمہ میں یکسانت برقرار رہے اور قاری کا ذہن کہیں بھی الجھنے نہ پائے۔اس طرح کے تراجم میں جو امور خاص اہمیت کے حامل ہیں ان ایک بات یہ ہے کہ علمی وفنی کتابوں کا ترجمہ کو متعلقہ علم وفن کے ماہر کو ہی انجام دینا چاہئے اور اگر ایسا نہ ہوتو کم از کم ترجمہ کے بعد اس فن کے ماہر سے ضرور رجوع کیا جائے،تاکہ مضمون میں کوئی سقم نہ آجائے۔علمی ترجمہ میں لفظی ترجمہ کے اصول کو برتا جاتا ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ لفظ بہ لفظ ترجمہ کردیا جائے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ ترجمہ میں الفاظ کی اس حد تک پابندی کرنے کی کوشش کی جائے کہ اصل کا مفہوم مجروح نہ ہو۔اگر ہدفی زبان میں لفظ کا مترادف موجود نہ ہوتو ایسی صورت میں مترجم کو یہ آزادی حاصل ہے کہ یا تو متبادل لفظ وضع کرے یا دیگر مناسب الفاظ کے ذریعہ اس کا مفہوم بیان کرے۔

ترجمہ عام طور پر اور علمی ترجمہ خاص طور پر انسانی تمدن،مزاج اور تاریخ کی دریافت اور شناخت کا ایک بھر پور ذریعہ ہے،انسان رنگوں،زبانوں،جغرافیائی بندشوں اور سیاسی تفرقات کی بدولت ایک دوسرے کے لئے اجنبی ہے،ترجمہ کے ذریعہ اصل زبان کو ہدفی زبان میں ڈھالنے سے انسانی سطح پر ایک دوسرے سے تعارف ہوتا ہے۔علم کی وسعت علمی وسائنسی دریافتوں کی کثرت سے بنی نوع انسان کو بہت فائدہ ہوا ہے،ان دریافتوں نے انسانی زندگی میں انقلاب برپا کیا ہے۔لیکن یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ موجودہ دور میں زیادہ تر ایجادات اور نئی تحقیقات یورپی اور مغربی ممالک میں ہورہی ہیں اور وہاں کی عمومی علمی زبان انگریزی ہے؛چنانچہ کوئی غیر انگریزی داں شخص اس سب سے بلا کسی رکاوٹ کے اسی وقت قابل قدر فائدہ حاصل کرسکتا ہے جب کہ اس کا ترجمہ اس کی مادری زبان میں فراہم کر دیا جائے،یوں کہہ سکتے ہیں کہ علمی ترجمہ وہ کنجی ہے جس کے ذریعہ علوم وفنون کے خزانے سب کے لئے کھل جاتے ہیں۔

علمی ترجمہ انسانی علوم میں اضافہ کرتا ہے اور ذہن کی سرحدوں کو کشادہ کرنے میں مدد دیتا ہے۔وہیں ترجمہ کا عمل زبان کی ساخت کو بھی متاثر کرتا ہے،خیالات اور جذبات کو بیان کرنے کے لئے نئے اسلوب مل جاتے ہیں،نئے الفاظ وضع کرنے پڑتے ہیں ،پرانے الفاظ کو دوبارہ استعمال کرنے سے ان میں وسعت پیدا ہوتی ہے،نئے محاورے اور نئے محرکات دستیاب ہوتے ہیں اور نئے علوم سے آشنائی ہوتی ہے،علاوہ ازیں نئی اصناف کے ساتھ ذہن کا تعارف ہوتا ہے اور فکر وتحقیق کے لئے نئے سانچے اور نئے اسالیب ملتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ علمی ترجمہ کی ہر زمانے میں اہمیت رہی ہے اور عصر حاضر میں اس کی ضرورت میں مزید اضافہ ہوا ہے تیز رفتار ذرائع حمل ونقل اور انفارمیشن ٹکنالوجی کے بڑھتے ہوئے اثر ونفوذ اور عالم کاری نے علمی ترجمہ کی اہمیت میں اور اضافہ کردیا ہے۔

سیدہ تبسم منظور ناڈکر۔ممبئی۔نائب ایڈیٹر گوشہ خواتین واطفال اسٹار نیوز ٹوڈے

"قیدِ حیات وبندِ غم"

انسان کی فطری ضروریات وچاہتوں کے مخالف امور کے ردعمل میں جو کیفیات انسان میں پیدا ہوتی ہے اسے دکھ کہتے ہیں۔اس کی مثال کچھ اس طرح ہے کہ مان لیں اگر آپ ایک درخت ہو اور آپ کی خزاں زدہ زرد شاخیں بہار کی دعائیں کر رہی ہیں اور ایک پر بہار ہوا کا جھونکا آپ کی شاخوں سے کتراتا ہوا گزر جائے تو آپ کے اندر پیدا ہونے والی کیفیت کو دکھ کہتے ہیں۔اگر اپ کو جاننا ہو کہ دکھ کیا ہوتا ہے تو اپنے آپ کو اس تنہا شخص کے مانند سمجھو جو چلچلاتی دھوپ میں صحرائے میں ہو اور شدت پیاس میں پانی کی ایک بوند کے لئے ترس رہا ہو اور کوئی بادل گرجتا ،طنز کرتا ، بغیر برسے آپ کے قریب سے گزر جائے تو آپ کو احساس ہوگا کہ دکھ کیا ہوتا ہے۔دکھ کی کیفیات کو تحریر میں لانے کیلئے خود ہی کو دکھ کے سمندر میں غوطہ لگانا پڑتا ہے۔لیکن یہ ایک امر حقیقی ہے کہ دکھ لکھنے سے دکھ سہنا زیادہ آسان ہوتا ہے کیونکہ تحریر کو جب جب پڑھا جائے گا دکھ کے زخم تازہ ہو جائیں گے۔

دکھ تو درد کی ایک سوغات ہے۔آنکھوں میں آنسو کی ان چاہی برسات ہوتی ہے۔دنیا میں ہر امیر غریب کو نیک و بد سب کو دکھوں، غموں اور پریشانیوں سے کسی نہ کسی صورت میں ضرور واسطہ پڑتا ہے لیکن وہ انسان خوش نصیب ہوتا ہے جو اس دکھ اور پریشانی کو صبر اور حوصلے کے ساتھ برداشت کر کے اللہ رب العزت کی خوشنودی حاصل کر لیتا ہے۔یہ دنیا مصیبتوں، دکھوں، پریشانیوں اور غموں کا سرمایہ ہے۔کیسی کو اولاد کی نافرمانی کا دکھ ہے۔۔۔۔کیسی کو اولاد نہ ہونے کا دکھ ہے۔۔۔۔کیسی کو مال و دولت کے ختم ہو جانے کا دکھ ہے۔کیسی کو کیسی کی موت کا دکھ ہے۔۔۔کیسی کو اکیلے پن کا دکھ ہے۔اس دنیا میں کئی طرح کے دکھ ہیں۔دکھ تکلیف پریشانی کا آنا جانا کوئی نئی بات نہیں۔

بہت سے دکھ ایسے ہوتے ہیں جو ہمارے نصیب میں لکھے ہوتے ہیں، وہ ہمیں مل کر ہی رہتے ہیں۔زندگی میں کئی سچائیاں ایسی ہوتی ہیں کہ چاہے وہ ہمیں کتنی بھی بری لگیں مگر انہیں قبول کرنا ہی پڑتا ہے۔انسان ہر وقت اپنی زندگی میں آنے والے دکھوں کے بارے میں سوچتا رہے تو وہ دکھ اس پر حاوی ہو جاتے ہیں۔پھر اگر زندگی میں خوشیاں آ بھی جائیں تو وہ انہیں دیکھ نہیں پاتا۔اور کئی بار ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہم خود دکھ کو بھول کر آگے بڑھنا چاہتے ہیں مگر ہمارے آس پاس کے لوگ۔ہمیں ان دکھوں سے نکلنے ہی نہیں دیتے!!!! لیکن ہم اپنے فرض کو چھوڑ کر بھاگ بھی تو نہیں سکتے۔۔۔اپنے رشتوں۔اپنے گھر پریوار میں رہ کر سکھ دکھ کو ساتھ لے کر سب کی خوشی کے لئے جینا پڑتا ہے۔ایسے میں کئی دکھ ہمارے اندر تک اتر جاتے ہیں اور ہم ان ہی دکھوں کی ایک مورت بن جاتے ہیں۔جب اس پر کسی ایسے ساتھی کی کوئی بری خبر مل جاتی ہے جس کے ساتھ ہم نے پورا بچپن پوری جوانی بتائی ہو۔۔۔اور اس ساتھی کو کچھ ہو جائے تب ہمیں احساس ہوتا ہے کہ دکھ یا درد کسے کہتے ہیں۔یہ بات وہ لوگ بہت اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں جنہوں نے زندگی میں اپنے ساتھی دوست یا بہن بھائی یا کسی عزیز کو گنوا دیا ہوں۔کیونکہ ایسے میں دل پر ایک ایسا بوجھ ایسا طوفان ہوتا ہے جو تھمنے کا نام نہیں لیتا۔انسان گھنٹوں۔۔۔کئی دنوں تک رو کر دکھ کو ہلکا کرنے کی کوشش کرتا ہے پر کچھ سمجھ ہی نہیں آتا۔کئی بار تو ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہم کسی سے بے انتہا محبت کریں اور وہ انسان ہمیں نظر انداز کریں تب دل دکھ سے کراہ اٹھتا ہے۔جب ہمیں کسی پر بہت

اعتماد ہوتا ہے اور وہ شخص ہمارے اعتماد کی دھجیاں اڑا کر چلا جائے تب دکھ ہوتا ہے۔ کبھی کبھی ہم اپنے پن۔ محبت، پیار کو ایسی غلط جگہ تلاش کرنے میں اپنا دل، دماغ، وقت ضائع کرتے ہیں۔ جہاں سے کوئی توقع نہیں ہوتی۔

سب سے بڑا دکھ تو تب ہوتا ہے۔ جب کوئی ماں اپنے بچوں کو بھوک سے نڈھال دیکھے اور ان کے لئے روٹی کا انتظام نہ کر سکے۔۔۔۔ جب کوئی ماں اپنے لخت جگر کو دوائی نا ملنے کی وجہ سے اپنی ہی گود میں مرتا ہوا دیکھے اور وہ کچھ کر نہیں پائے۔۔۔۔ کوئی بچہ ٹھنڈ میں ننگے بدن بیٹھا ہوا اور سکڑ رہا ہو۔۔۔۔ کہیں کوئی بچہ کسی بورڈنگ میں ایک کونے میں بیٹھ کر اپنے والدین کو یاد کر کے آنسو بہا رہا ہو اور سوچ رہا کہ کیوں تنہا ہوں۔۔۔۔ جب کوئی بچہ اپنے باپ کو ہر روز مرتا ہوا دیکھے جو کسی بیماری میں مبتلا ہو۔۔۔ جس کو پتہ ہو اب اس کے سر سے یہ سایہ چھین جانے والا ہے۔۔۔۔ جب کبھی آپ کا کوئی اپنا جو بہت عزیز جو اچھا بھلا ہو اور اس کی موت کی اچانک خبر مل جائے۔ اور آپ کہیں دور ہوں تب دکھ کی انتہا ہوتی ہے۔ ہم جن کے لئے سب کچھ لٹا دیں اس کی ہر خواہش ہر تمنا پر قربان ہو جائیں اور وہ منہ موڑ ہمیں چھوڑ جائے تو دکھ ہوتا ہے۔

کوئی بیوہ عورت اپنے بچوں کے پیٹ کی آگ بجھانے کی خاطر کسی کے گھر میں کام کر رہی ہو اور اس گھر کا مالک اس کو گھور رہا ہو تب وہ دکھ سے کراہ اٹھتی ہے۔۔۔۔ جب کوئی یتیم معصوم بچی اسکول کے کلاس روم سے صرف اس لئے باہر کر دی گئی ہو کہ اس کی فیس ادا نہ ہوئی ہو اور اپنی اس لاچاری پر آنسو بہا رہی ہوں۔۔۔ کہیں دور کسی ریگستان میں موت سے کوئی لڑ رہا ہو اور پانی کی ایک بوند کے لئے تڑپ رہا ہو اور سوچ رہا ہوگا کہ کہیں سے کوئی تو آئے اور دو گھونٹ پانی پلا جائے۔۔۔ کسی جیل میں کوئی اپنے نا کردہ جرم کی سزا کاٹ رہا ہو سکتے؟ وئے اپنوں کے چہروں کو ترس رہا ہو۔۔۔۔ کوئی مریض بستر پر موت اور زندگی سے لڑ رہا جسے اپنوں کا اپنے دوستوں کا انتظار کرتے آنکھیں پتھرا جانے۔۔۔ تب دکھ ہوتا ہے۔

نیاز جیراجپُوری

جنگ

(سانیٹ)

ہم نہیں یہ کہتے خُود تاریخ ہے اِس کی گواہ
کرتی ہے تاراج کل کو جنگ جو ہوتی ہے آج
جنگ آنے والی نسلوں سے بھی لیتی ہے خراج
روک لیتی ہے یہ آگے بڑھنے کی ہر ایک راہ

جیتنے والا بھی اِس میں ہوتا ہے ہارا ہُوا
جنگ دلدل زلزلہ پُر پیچ وخم گرداب ہے
چھین لے بینائیاں جو جنگ ایسا خواب ہے
جنگ ہے قہر و عذاب و لعنت و تُف بدُعا

کھیل ہے زیر و زبر کا جنگ کہتے ہیں جسے
جنگ تو اِمکان خاک وخُون کی آندھی کا ہے
پیش خیمہ یہ تباہی اور بربادی کا ہے
خبط ہے اندھے سفر کا جنگ کہتے ہیں جسے

اے نیازؔ اس جنگ میں سب کچھ عجب ہو جاتا ہے
کوئی مرتا ہے تو کوئی جاں بلب ہو جاتا ہے

کئی دکھ انسان کے اندر تک بس جاتے ہیں اور پھر وہ انسان سمندر کی طرح گہرا؟ و جاتا ہے۔ اگر اس میں پتھر بھی پھینکو تو آواز باہر نہیں آتی اور وہ کتنی گہرائی تک گیا پتہ بھی نہیں چلتا۔ جب دکھ شدت اختیار کر لے تو چپ رہنا چاہیے یہی صبر کے لمحات ہوتے ہیں۔ زندگی میں بس اتنا جانو دکھ میں اکیلے رہنا ہے اور خوشی میں سارا زمانہ ساتھ ہوتا ہے۔ مرزا غالب نے کہا ہے کہ

قیدِ حیات و بندِ غم اصل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں

ڈاکٹر رفیعہ شمیم۔حیدرآباد

اردو افسانہ اور محشر عابدی

ڈاکٹر محشر عابدی نے ''فرشتے کی سیر'' میں انسانوں کی خود پرستی کو موضوع بحث لایا ہے۔اسکی تصویر کشی مختلف زاویہ سے کی گئی ہے۔اور ہر تصویر سے جو چہرہ ابھرتا ہے وہ بیدرد اور بے حس انسانوں کی شبیہہ ہے مگر اسکا اختتام افسانہ نگار نے خوشگوار انداز میں کیا گیا ہے اس کا پلاٹ سیدھا سادھا ہے زبان دلکش ہے اسلئے کہانی ایک تسلسل کیساتھ آگے بڑھتی ہے۔ایک اقتباس پیش ہے۔

''فرشتہ چلتے چلتے انسانی آبادی سے باہر نکل گیا اور آسمان کی طرف صعوہ کرنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ آبادی سے دور ایک صحرائے خاموش میں ایک چھوٹا سا گھر اسے نظر آیا وہ کچھ سوچکر وہاں جا پہنچا اور پکارا،ایک شخص اندر سے نکلا اس نے فرشتے کو دیکھا اور ساکت کھڑا ہو گیا۔فرشتے نے پوچھا ''یہ کس کا جھونپڑا ہے؟ ایک شاعر کا'' جواب ملا فرشتہ متبسم ہو گیا اور بولا ''کیا تو ایک مسافر کو اپنے جھونپڑے میں جگہ دے گا جو سردی سے بے چین ہے اور جسے دنیا میں کہیں پناہ نہیں ملی اور جسے ہر ذی مرتبہ اور عالم انسان نے ٹھکرا دیا''۔

شاعر نے کہا ''آہ مجھے یہ سنکر بیحد افسوس ہے کہ کسی نے آپکو پناہ نہیں دی، آیئے میرا جھونپڑا آپ ہی جیسے مہمانوں کیلئے ہے''۔

میں سمجھتا تھا کہ دنیا میں میرا ٹھکانہ نہ ہوگا مگر اب مجھے معلوم ہوا کہ ''فرشتہ محبت کیلئے اگر دنیا میں کوئی جنت ہوسکتی ہے تو وہ شاعر ہی کا گھر ہے'' اور یہ کہکر فرشتہ اسکے اندر چلا گیا۔ ۲۱

اس افسانے کا جائزہ لینے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ڈاکٹر محشر عابدی نے یہ بتایا کہ انسانوں کے اخلاق کی حالت ہمارے معاشرے کتنی خراب ہے لوگ اپنے آپ میں اتنے مصروف ہیں کہ کسی کی طرف دیکھنے کی فرصت نہیں ہے انسانی رشتوں میں خلوص کی کمی سماجی اخلاقی و روحانی پامالی انسانی وجود کی لاپرواہی کو پیش کیا گیا ہے۔

''دوزخ کی سیر'' میں ایک طرف تو ''قرض'' کے بوجھ کو موضوع بنایا گیا تو دوسری طرف رشتوں کی پاسداری اور دوزخ کے عذاب کے بارے میں لہجے کا تجسس کے علاوہ اس میں کئی ایک موضوعات ملتے ہیں۔اس میں خاندانی رشتوں سے محبت اور نفسیاتی الجھن کی عکاسی کی ہے دراصل یہ خاندانی رشتوں کی پاسداری پر مبنی ہے۔اس پس منظر میں افسانے کے کچھ اہم مکالمات دیکھئے۔

عابد:۔ ایک دم کرسی سے اچھل پڑا اور متوحش اور مبہوت ہو کر بیساختہ چلا اٹھا ''آہ فرشتو اب مجھے نہ پکڑو''۔

اقبال:۔ (متعجب ہو کر) عابد کیوں اسقدر گھبرائے ہوئے ہو تم آسمان کی باتیں کر رہے ہو مگر ابھی تم زمین پر ہو۔

عابد:۔ یہ سنکر اقبال کے چہرے کو غور سے دیکھنے لگا پھر اسنے خوشی کا نعرہ لگاتے ہوئے کہا ''کیا میں زندہ ہوں ؟'' اور اقبال سے لپٹ گیا پھر اقبال کو چھوڑ کر اندر کی

طرف دوڑا، اسنے دیکھا سلیم ایک طرف سر جھکائے کھڑا ہے اور حمیدہ بانو الماری کھولکر نوٹ نکال رہی ہیں وہ دوڑ کر سلیم سے لپٹ گیا اور پھر اپنی بیوی سے اسوقت اس کی مسرت کی کوئی انتہا نہ تھی حمیدہ بانو کو عابد کی ان حرکتوں سے تعجب ہوا لیکن سلیم سمجھ رہا تھا کہ ضرور اس کتاب نے عابد کو متاثر کر دیا ہے عابد اپنی بیوی اور بیٹے سے ملکر باہر آیا اور پھر اقبال کو ایک مرتبہ لپٹا لیا۔

عابد:۔ اقبال میں پشیمان ہوں۔ میں شرمندہ ہوں مجھے معاف کر دو اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

اقبال:۔ کیوں کیسی شرمندگی ؟ عابد کیوں پشیمان ہو؟

عابد:۔ اقبال مجھے معاف کر دو میں نے بہت بے انصافی کی جو تمہارا دل دکھایا لیکن اب معاف کر دو میں اسی وقت مطلوبہ رقم دینے کو تیار ہوں۔

اقبال:۔ عابد تم نے کوئی قصور نہیں کیا تاہم میں معاف کرتا ہوں تمہارا یہ احسان عمر بھر نہیں فراموش کیا جاسکتا اسوقت تم نے ایک بڑی بھاری مصیبت سے بچالیا ہے خدا تمہیں اس کا نیک اجر دے۔

عابد:۔ اقبال میں اپنے لڑکے سلیم کو تمہاری دامادی میں پیش کرتا ہوں مجھے امید ہے کہ تم منظور کرو گے۔

اقبال:۔ اوہ مجھے کب انکار ہوسکتا ہے میں بہت مسرت سے اس کارِ خیر کی تکمیل کیلئے حاضر ہوں۔

۲۲

ڈاکٹر محشر عابدی نے اس افسانے میں بنی نوع انسان کے فائدے کے کام، ضرورتمندوں کی مدد اور رشتوں کی اہمیت کو نکتہ بنا کر پیش کیا ہے۔

افسانہ ''پرستارِ محبت'' میں طاقتور انسان دوسرے کمزور انسان پر کس طرح حاوی ہوتے ہیں اس موضوع کے تحت محشر عابدی نے لکھا، گھر اور سماج کے تحت غیر انسانی رویہ کو اسمیں بتایا گیا ہے دو پیار کرنے والوں کے درمیان دولت کھڑی کر دی گئی اور وہ خاموش تماشائی بنے قسمت پہ ماتم کرتے رہے۔ انسان کی یادیں کبھی خوبصورت اور بدصورت رخ اپنا کر ترتیب پاتی ہیں تو وہی روگ بن جاتی ہیں۔ کرداروں کی شخصیت مکالموں کے ذریعہ سے ابھرتی ہے اسی طرح پریم اور شانتی کے کرداروں کو مکالموں کے ذریعہ دیکھیں ایک اقتباس بطور ثبوت پیش ہے۔

پریم:۔ میری بھولی لڑکی تمہارے من میں پریم کی محبت ضرور ہے لیکن تم اپنے من کی بات نہ کرسکو گی تمہیں اپنے سوامی کی اطاعت کرنی پڑے گی۔

شانتی نے جواب دیا پریم ایک استری کا سب سے پہلا فرض یہی ہے کہ وہ اپنے سوامی کی دل و جان سے فرمانبرداری کرنا لیکن پریم میں کسی اور کی استری ہو جاؤنگی تو کیا ہوا میرے جسم پر میرے شوہر کا قبضہ ہوگا مگر روح کے تم اکیلے مالک ہو اس پر کسی کا قبضہ نہیں ہوسکتا۔ ۲۳

اس افسانہ کا جائزہ لینے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ انسانی رشتوں کی پامالی کی منہ بولتی ہوئی تصویر ہے۔

افسانہ ''نرگس'' میں اطاعت گزاری کو موضوع بنایا گیا ہے اس میں مسلم معاشرتی گھرانے کی تصویر کشی کی گئی ہے ساسوں کا بہوؤں پر ظلم کرنا ہمارے معاشرہ کا مزاج بن گیا ہے۔ نرگس محبت، وقت اور صبر کا دامن تھامے ہاری بازی جیت جاتی ہے اطاعت اور محبت عداوت پر غالب آتی ہے ڈاکٹر محشر عابدی نے کرداروں کے شدید جذبات کو پیش کرتے ہوئے اسلوب میں انفرادیت لانے کی کوشش کی ہے۔ ایک اقتباس ملاحظہ ہو۔

''صادق نے کہا'' راحت کے خزانے کو میں کبھی اپنے دل سے دور نہ کرونگا میرے ساتھ چلو، ڈرو نہیں میری ماں گھر چھوڑ کر چلی گئی ہے میں خدا کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ تم اکیلی گھر کی مالکہ بن کر رہو گی۔

نرگس اس جواب سے بیحد مسرور ہوگئی اور روپیوں کی تھیلی اٹھا کر یوسف کو دیتے ہوئے کہا، اپنے روپیئے لیجاؤ میں اپنے شوہر کیساتھ جارہی ہوں۔ یہ کہکر اس نے صادق کا ہاتھ پکڑا اور گھر سے باہر نکل گئی حاضرین پر ایک سکوت کا عالم طاری ہوگیا۔ نرگس کی کھوئی محبت واپس مل گئی۔ ۲۴

اس افسانے کے مطالعہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ خوش مزاجی، کفایت شعاری، سلیقہ مندی، پیار محبت اطاعت گزاری ایسی صفات ہیں جس سے ٹوٹے گھروں کو جوڑا جاسکتا ہے افسانے کا اختتام جس طرح انہوں نے خوشگوار انداز میں کیا ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ ڈاکٹر محشر عابدی ٹوٹے رشتوں کو جوڑنا چاہتے ہیں۔

شعبہ اردو ساتاواہانا یونیورسٹی کریم نگر کے زیر اہتمام دوروزہ قومی سمینار بعنوان "سر سید: احوال، افکار اور عصر جدید" بہ تعاون قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی کا انعقاد۔

تصاویر میں ڈاکٹر جعفر جری، ڈاکٹر معید جاوید، پروفیسر نسیم الدین فریس، ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی، ڈاکٹر ناظم الدین علی منور، پروفیسر سید فضل اللہ مکرم، پروفیسر مجید بیدرار، ڈاکٹر مختار احمد فردین، ڈاکٹر عبدالقوی، ڈاکٹر حمیرا تسلیم، ڈاکٹر ابرار الباقی، ڈاکٹر نشاط احمد اور طالبات کو دیکھا جاسکتا ہے۔ شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ حیدرآباد، کنوینر، اکٹر ناظم الدین علی منو صدر شعبہ اردو اور ان کی پوری ٹیم کو اس کامیاب سمینار پر مبارکباد پیش کرتا ہے

احمد نور عینی / پی ایچ ڈی اسکالر جامعہ عثمانیہ

اقبال فہمی

تہذیبِ یورپ اور اقبال

اردو زبان میں قافیہ پیمائی کرنے والوں کی تعداد بے شمار ہے اور معیاری و مستند شعرا کی فہرست بھی کافی دراز ہے؛ مگر ان میں کسی نے اگر سب سے بامقصد، سنجیدہ، انقلابی اور پیغام پر مبنی شاعری کی ہے تو وہ اقبال کی شخصیت ہے، اقبال کی شاعری لب و رخسار اور زلف یار کے تذکروں سے خالی ہے، عشق مجازی کے موضوعات سے تہی داماں ہے، اقبال نے شاعری محض لذت کام و دہن کے لیے نہیں کی؛ بل کی ان کی شاعری ایک صدائے انقلاب ہے جو بحر و عروض کے پیکر میں ڈھل کر نکلی ہے، ایک پیغام ہے جو ردیف و قافیہ کا پیرہن پہن کر جلوہ گر ہوئی ہے۔

اقبال نے اپنی شاعری میں مسلمانوں کو ان خطرات سے آگاہ کیا ہے جو ان کی بربادی کا باعث ہو سکتے ہیں، مسلمانوں کے ناخداؤں کو ان تلاطم خیز موجوں سے باخبر کیا ہے جو امت مسلمہ کے سفینۂ ایمان و یقین کو غرقاب کر سکتی ہیں، باغبانوں کو ان خرمن سوز بجلیوں سے متنبہ کیا ہے جو مسلمانوں کے آشیانوں پر گرنا چاہتی ہیں۔ اقبال نے یہ محسوس کیا بل کہ اس کا مشاہدہ کیا کہ امت مسلمہ جن خطروں کا بری طرح شکار ہے اور جن فتنوں کے دام میں گرفتار ہے ان میں ایک اہم خطرہ اور فتنہ تہذیب یورپ کی اندھا دھند تقلید ہے۔

اقبال نے یورپ کو قریب سے دیکھا تھا، وہاں کی تعلیم گاہوں سے استفادہ کیا تھا، وہاں کے فلسفیوں کو غیر جانبداری کے ساتھ پڑھا تھا اور وہاں کے افکار کا گہرائی و گیرائی کے ساتھ مطالعہ کیا تھا، وہ عذاب دانش حاضر کی آگ سے اپنے ایمان کو بچا کر باہر آئے تھے:

عذابِ دانشِ حاضر سے باخبر ہوں میں
کہ میں اس آگ میں ڈالا گیا ہوں مثلِ خلیل

وہ جب اس آگ سے نکلے تو اس نتیجہ پر پہنچے کہ دانش حاضر اور فرنگی تہذیب فساد قلب و نظر کا سامان ہے:

فسادِ قلب و نظر ہے فرنگ کی تہذیب
کہ روح اس مدنیت کی رہ سکی نہ عفیف

اقبال کہتے ہیں کہ سیارگان فلک کی گذرگاہوں کا تفتیش کناں اور سراغ رساں یورپ اپنے افکار کی دنیا میں سفر کرنے سے عاجز رہا، اس نے اپنی عقل و دانش سے سورج کی شعاعوں کو گرفتار تو کیا لیکن اپنی زندگی کی شب تاریک کو سحر کرنے سے قاصر رہا، اپنی حکمت کے خم و پیچ میں ایسا الجھا کہ آج تک فیصلۂ نفع و ضرر نہ کر سکا، وہ مساوات کا درس تو دیتا ہے؛ لیکن خود معصوم و مظلوم قوموں کا خون چوستا ہے، وہ فیضان سماوی سے محروم ہے، برق و بخارات اس کا منتہائے کمال ہے، یورپ میں علم و ہنر کی روشنی تو بہت ہے؛ مگر حقیقت میں وہاں کا بحر ظلمات بے چشمۂ حیواں ہے، افرنگ مشینوں کے دھویں سے تاریک ہے، وہاں کی وادی شایان تجلی نہیں، مے خواری، بے کاری، عریانی اور افلاس فرنگی مدنیت کی فتوحات ہیں، نہ اس کی فکر نظیف ہے اور نہ اس کی روح عفیف ہے۔

اقبال تہذیب یورپ پر تنقید کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ ایک ناپائیدار تہذیب ہے جس نے شاخ نازک پر اپنا آشیانہ بنایا ہے، یہ خود اپنے ہی خنجر سے ایک دن خود کشی کرے گی، جس حکمت پر خردمندان مغرب نازاں و شاداں ہیں وہ ہوس کے پنجۂ خونیں میں تیغ کارزاری ہے، جس فکر گستاخ نے فطرت کی طاقتوں کو عریاں کیا ہے اسی کی بیتاب بجلیوں سے اس کے آشیانے کو خطرہ لاحق ہے، یہ وہ تہذیب ہے جو اپنے ساتھ رقابت، خود فروشی، ناشکیبائی اور ہوسنا کی لائی ہے، اس کی چمک دمک نگاہ کو خیرہ تو کرتی ہے؛ مگر یہ صناعی جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر خاک مدینہ و نجف کا سرمہ آنکھوں میں لگا لیا جائے تو یہ جلوۂ دانش فرنگ نگاہ کو خیرہ نہیں کر سکتا۔

اسلام کی پاکیزہ تہذیب کے رہتے ہوئے مسلمان اگر تہذیب یورپ کی دریوزہ گری کریں تو اس میں مسلمانوں کا ہی قصور ہے، اس لیے اقبال کہتے ہیں:

یورپ کی غلامی پہ رضامند ہوا تو
مجھ کو تو گلہ تجھ سے ہے یورپ سے نہیں ہے

آبیناز جان علی۔ موریشس

بول جو کچھ کہنا ہے کہہ لے

انسان کے پاس زبان ہی وہ آلہ ہے جس کی مدد سے وہ اپنے افکار دوسروں تک پہنچا سکتا ہے۔ زبان انسان کی تربیت اور تہذیب کی دلیل فراہم کرتی ہے۔ اپنی باتوں سے وہ دوسروں کا دل جیت کر ان میں نئی جان پھونک سکتا ہے یا ان کو ذلیل و خوار کر سکتا ہے۔ اقوال کی طاقت سے سب سے پہلے ہم خود مستفیض ہوتے ہیں۔ قدرت کا کچھ ایسا نظام ہے کہ ہماری کہی ہوئی بات کا براہِ راست اثر پہلے ہمارے ہی ذہن پر پڑتا ہے۔

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں طاقتِ پرواز مگر رکھتی ہے

اقبال

یہ لفظ بھی عجیب شے ہے۔ انسان کے اندر بحر بیکراں ہے اور اس کو دوسرں تک پہنچانے کے لئے صرف الفاظ ہیں۔ ایک حرف کو دوسرے حرف سے جوڑ کر الفاظ بنتے ہیں اور ایک لفظ سے دوسرے لفظ کو ملا کر جملے بنتے ہیں۔ انہیں محدود ذرائع کے سہارے تعلقات بڑھانے ہیں۔ اپنے خیالات و افکار سے عالم کو منور کرنا ہے اور دنیا میں انقلاب بھی لانا ہے۔ اس اثنا میں انسان اپنی بات کہے بھی تو کیسے؟

بات کرنے سے پہلے یہ طے کر لینا ضروری ہے کہ ہم اس گفتگو سے کیا حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اس گفتگو کے اخیر میں کون سی معلومات کا انکشاف کرنا چاہتے ہیں جو پہلے معلوم نہیں تھی۔ اس طرح اپنے اغراض و مقاصد کا خیال رکھتے ہوئے سیر حاصل گفتگو ہو سکتی ہے اور دوسروں کی صحبت کا پورا فائدہ بھی اٹھایا جا سکتا ہے۔ اگر بات چیت کا رخ دوسری جانب جا رہی ہو تو واپس اسے اپنے مصرف تک لایا جا سکتا ہے۔ اس طرح ہم یہ طے کر سکیں گے کہ بات چیت کس وقت ختم کرنی ہے اور ہم غیر ضرور باتوں سے بھی پرہیز کر پائیں گے۔

بات کرنے سے پہلے گہری سانس لینا ضروری ہے۔ اس سے تناؤ دور ہوتا ہے۔ اکثر لوگ اپنی بات کہنے سے ہچکچاتے ہیں یا ان کو ایک خوف گھیر لیتا ہے کہ آیا ان کی بات کا یقین کیا جائے گا یا نہیں۔ کبھی کبھی جذبات و محسوسات کی ژولیدگی کے باعث ہم موزوں و مناسب الفاظ کا سہارا لینے سے قاصر رہتے ہیں۔ سانس لینے سے روح کو تسکین و طمانیت ملتی ہے اور ذہن موجودہ صورتِ حال کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ اس طرح ہم اپنی بات پر پورا دھیان دے پاتے ہیں۔ نیز گہری سانس لینے سے آواز میں مضبوطی آتی ہے اور آواز بہتر ہو جاتی ہے۔ خوف ہمیں اپنی بات کہنے سے روکتی ہے۔ جب بات کہنے کا وقت آتا ہے ہمیں بس بلا تردد اپنی بات کہنی ہے۔

بول کہ لب آزاد ہیں تیرے
بول زباں اب تک تیری ہے

فیض

اپنی بات کہتے وقت نرم لہجہ اختیار کرنا ضروری ہے۔ اس سے سامنے والے کو یوں محسوس نہیں ہوگا کہ اس پر حملہ کیا جا رہا ہے اور وہ ہماری بات بہتر سمجھ پائے گا۔ رسول پر نور ﷺ کے بارے میں خدا سورۃ آل عمران آیت ۱۵۹ میں فرماتا ہے کہ تم لوگوں سے نرمی اختیار کرتے ہو۔ اگر تم تند خو اور سخت دل ہوتے تو لوگ تم سے دور رہتے۔ بات کرنے میں

نرمی ایک اہم عنصر ہے لیکن اپنی بات سیدھے سیدھے کہنا بھی ضروری ہے۔ کامیاب ہونے کے لئے ہمت کی ضرورت ہے اور ہمت ہی ہمیں اپنی بات کہنے میں حوصلہ افزائی کرتی ہے۔

پروں کو کھول زمانہ اڑان دیکھتا ہے
زمیں پہ بیٹھ کے کیا آسمان دیکھتا ہے
شکیل اعظمی

اس کے علاوہ اپنی آواز سے دوسروں میں یہ بات بٹھائی جاسکتی ہے کہ ہمیں کون سی چیز پسند ہے اور کون سی بات یا عمل ہمارے لئے ناقابلِ قبول نہیں ہے۔ دوسروں سے مئودبانہ طریقے سے بات کرنا ضروری ہے اور اپنی پسند اور ناپسند کا احترام بھی لازمی ہے۔ جب لوگ بے عزتی پر اتر آتے ہیں تو اپنی ناپسندیدگی کا اظہار ضروری ہے اور ضرورت پڑنے پر اس گفتگو سے علیحدگی بھی اختیار کر سکتے ہیں جب تک سامنے والا ہمیں عزت نہ دے۔

کبھی کبھی بات کرتے وقت چیزیں صاف نہیں ہو پاتیں۔ اس اثنا میں سوال کرنا ضروری ہو جاتا ہے تا کہ بات صاف ہو سکے۔ سوالات کے ذریعے سامنے والے کو اپنی بات سمجھائی جاسکتی ہے اور پریشانی کا حل ڈھونڈھنے میں سوالات معاون و مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ سوالات کرنے کے بعد سامنے والے کی بات کا غور سے سننا بھی ضروری ہے تا کہ اس کا نقطۂ نظر بھی سمجھ میں آجائے۔ اس کے علاوہ بات چیت کے دوران خاموشی سے گھبرانا نہیں چاہئے۔ خاموشی میں جانکاریاں اور جذبات کا صحیح پتہ چلتا ہے۔ گھبراہٹ میں ہم ضرورت سے زیادہ بول جاتے ہیں۔ گفتگو کے درمیان خاموشی میں خود اعتمادی کا مظاہرہ کرنا چاہئے تا کہ کوئی راستہ نکل کر سامنے آسکے۔

بات کرتے ہوئے ہماری پوری موجودگی ہماری طاقت ہے۔ بات کرتے ہوئے دوسروں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ ادھر ادھر کی چیزوں یا موبائل فون سے اپنا دھیان ہٹا کہ اپنی توجہ پوری طرح مکالمے پر لگائیں۔ وہ کیا چاہتے ہیں اور کیا محسوس کر رہے ہیں معنی رکھتے ہیں۔ جب دوسروں کا خیال رکھا جاتا ہے تو وہ ہماری ضروریات کا خیال بھی رکھیں گے۔ اس سے رشتے میں مثبت تبدیلی رونما ہوتی ہے۔ دوسرے آپ کو زیادہ تعظیم کی نگاہ سے دیکھیں گے کیونکہ آپ نے ان کو پورا دھیان دے کر ان میں اس احساس کو بیدار کیا کہ وہ آپ کی نظر میں معنی رکھتے ہیں۔ اس طرح کامیابی اور خوشیاں آپ کے قدم چومیں گی۔ بات کرتے ہوئے سب کی سننا بھی چاہئے تا کہ ہمارا فیصلہ یک طرفہ نہ ہو۔

بعض اوقات عمر کے لحاظ سے الفاظ کا انتخاب کرنا چاہئے۔ بچوں سے ہمکلام ہوتے ہوئے ان سے سہل الفاظ استعمال کرنا زیادہ مناسب ہے تا کہ وہ بات کو سمجھ پائیں۔ نیز ان کو سمجھانے کے لئے ایسی مثالوں کا سہارا لیا جائے جن سے وہ آشنا ہوں۔ چھوٹوں کی معصومیت کا پاس رکھتے ہوئے ان کے سامنے بداخلاق کلمات یا نازک مسائل کے مابین خردمندی کا مظاہرہ کرنا ضروری ہے۔ والدین سے بھی التماس ہے کہ بچوں کے سامنے بحث و مباحثہ کرنے سے پرہیز کیا جائے تا کہ تلخ و ترش کلمات بچوں کے احساسِ تحفظ پر حملہ آور نہ ہوں۔ ان کو اپنی باتوں میں شامل کریں اور ان کی موجودگی کے وقت انہیں اپنی توجہ کا مرکز بنائیں۔ ایسا نہ کرنے سے بچوں میں احساسِ کمتری اور خوف بیٹھ جاتے ہیں۔ بچپن کا زمانہ ایک نازک مرحلہ ہوتا ہے جس کے دوران کے لاشعور کی تکمیل ہوتی ہے۔ بچپن کے تجربات زندگی بھر ساتھ رہتے ہیں اور کسی نہ کسی شکل میں بڑوں کی روزمرہ واردات اور حادثات میں روبرو ہوتے رہتے ہیں۔ یہ وقت والدین کے لئے اہم ذمے داری کا ہوتا ہے۔

چھوٹوں کے علاوہ معمر لوگوں کے لئے تعظیم کے الفاظ استعمال کرنے سے اپنی بات بٹھائی جاسکتی ہے۔ بزرگوں کے پاس زندگی بھر کا خزانہ ہے اور عموماً وہ فراخ دلی سے اپنی تائید و نصرت سے مستفیض ہونے کا موقع بھی دیتے ہیں اور ان کی صحبت میں بہت کچھ سیکھا جاسکتا ہے۔ اس تجربے کا اعتراف

علینا عترت۔غازی آباد(یوپی)

غزل

خزاں کی زردی رنگت بدل بھی سکتی ہے
بہار آنے کی صورت نکل بھی سکتی ہے

جلا کے شمع اب اٹھ اٹھ کے دیکھنا چھوڑو
وہ ذمے داری سے از خود پگھل بھی سکتی ہے

ہے شرط صبح کے رستے سے ہوکے شام آئے
تو رات اس کو سحر میں بدل بھی سکتی ہے

ذرا سنبھل کے جلانا عقیدتوں کے چراغ
بھڑک نہ جائیں کہ مسند یہ جل بھی سکتی ہے

ابھی تو چاک پہ جاری ہے رقص مٹی کا
ابھی کمہار کی نیت بدل بھی سکتی ہے

یہ آفتاب سے کہہ دو کہ فاصلہ رکھے
تپش سے برف کی دیوار گل بھی سکتی ہے

ترے نہ آنے کی تشریح کچھ ضروری نہیں
کہ تیرے آتے ہی دنیا بدل بھی سکتی ہے

کوئی ضروری نہیں وہی دل کو شاد کرے
علیناؔ آپ طبیعت بہل بھی سکتی ہے

ضروری ہے کیونکہ اسلاف کی کاوشوں سے یہ دنیا یہاں تک پہنچی ہے۔ران سے سیکھ کر اور اپنی شخصیت کو ملا کر اس کارواں کو آگے لے جانا چھوٹوں کا فرض ہے۔

ایک مشہور کہانی کے مطابق ایک بار ایک پادری نے ایک بچے کو ایک چادر میں سفید رنگ کے پر کو یکجا کرنے کو کہا۔ پھر اسے چھت پر چڑھنے کی ہدایت دے کر اس چادر کو نیچے سڑک کی طرف چھوڑنے کو کہا۔ اس طرح کبوتر کے تمام پر چہار جانب یہاں وہاں منتشر ہوگئے۔ پادری نے پھر اس لڑکے کو تاکید کی کہ ان تمام پر کو پھر پکڑ کر اسی چادر میں سمیٹ لیا جائے۔ لاکھ کوششوں کے بعد بھی تمام پر ہاتھ نہیں آپائے۔ آخرکار احساسِ شکست خوردگی سے سرشار جب لڑکا پادری کے پاس واپس آیا تو پادری نے اسے سمجھایا' ہمارے اقوال انہیں پروں کی طرح ہیں۔ ہم جو بولتے ہیں ان پر دھیان دینا چاہئے کیونکہ ایک بار الفاظ منہ سے نکل گئے ان کو واپس نہیں لائے جاسکتے۔

غرض کہ بات کرنا ایک ہنر ہے۔ جس نے اس فن پر مہارت حاصل کی وہ سرفراز ہوا۔

بقیہ ص:۷ سے آگے......... خداوند کارساز کی بارگاہ میں قصرِ صلوٰۃ کی ایک عمدہ تقریب پیدا ہوگئی، چنانچہ قصر کی آیتیں نازل ہوئیں، عصر کا وقت آیا تو آپ نماز کے لیے اٹھ کر کھڑے ہوئے، دشمن اپنی فوج کا پرا لیے آپ کے سامنے تھے، صحابہؓ دو حصوں میں منقسم ہوگئے، ایک حصہ نے آپؐ کے پیچھے آکر نماز کی صفیں قائم کرلیں اور دوسرا حصہ دشمنوں کے مقابل کھڑا ہوگیا، پہلی جماعت فارغ ہوکر بہ تدریج دشمنوں کے مقابل آگئی اور دوسری ترتیب کے ساتھ پیچھے ہٹ کر آپؐ کے ساتھ نماز میں جا ملی، یہ تمام تبدلیاں مقتدیوں کی صفوں میں ہورہی ہیں لیکن خود سپہ سالار خوں آشام تلواروں کے سایہ میں تمام خطرات سے بے پرواہ عبادتِ الٰہی میں مصروف ہے اور اس کو ذرہ برابر جنبش نہیں ہوتی۔

ان واقعات کو پڑھ کر اندازہ ہوگا کہ اس حکم الٰہی کی کہاں تک تعمیل ہوئی۔

ترجمہ: مسلمانو! جب کسی گروہ سے مڈبھیڑ ہوجائے تو ثابت قدم رہو اور بار بار خدا کا نام لیتے جاؤ، تم کامیاب ہوگے۔

صحیح بخاری میں روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ جہاد میں جب کسی ٹیکرے پر چڑھتے تو تین بار اللہ اکبر کہتے۔(سیرۃ النبی، ج:۲ص:۲۰۸۔۲۰۹۔۲۱۰)

حضرت علامہ الحاج سید شاہ اعظم علی صوفی ثانی قادریؒ

حضرت علامہ الحاج سید شاہ اعظم علی صوفی قادری کے دینی ملی سماجی رفاہی کاموں کی بے لوث خدمات کافی اہم ہیں۔

حضرت کے کارنامہ حیات جو بیسویں صدی کے لیے امتیازی حیثیت رکھتی ہے وہیں اکیسویں صدی بلکہ شمع علم کی تابناکی تک پروانہ علم و عرفان کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ حضرت افتخار الصوفیہ ۶ر فروری ۱۹۴۱ء کو ایسے گھرانے میں تولد ہوئے جو علم و عرفان کا مرکز ہے۔ آپ ابوالحسنات علامہ سید شاہ شجاع الدین علی صوفی القادری مدنی بادشاہ کے فرزند اکبر اور بارگاہِ قطب دکن حضرت صوفی اعظم و خانقاہ صوفیہ کے سجادہ نشین کے ساتھ ساتھ اپنے دادا حضرت صوفی اعظم والد ابوالحسنات کے مسند ارشاد کے وارث و جانشین بھی تھے۔

آپ کی تعلیم سٹی کالج چادرگھاٹ کالج، عثمانیہ یونیورسٹی آرٹس کالج میں ہوئی۔ عثمانیہ یونیورسٹی سے ۱۹۶۲ء میں کامرس میں پوسٹ گریجویشن (ایم کام) کیا۔ اسی جامعہ سے ایل ایل بی میں بدرجہ امتیازی کامیابی حاصل کی۔ ممبئی کے امتحان میں سی اے آئی سی بی منعقدہ ۱۹۶۷ء میں مولانا نے امتیازی کامیابی حاصل کی اور اکاؤنٹنسی میں ملک بھر میں سب سے زیادہ نشانات حاصل کر کے گولڈ میڈل ایوارڈ حاصل کیا۔

دینی علوم میں قرآن و حدیث، فقہ، تصوف، عربی اور فارسی زبان اپنے عم محترم حضرت ابوالفیض سید شاہ سجاد علی صوفی واعظ سرکار عالی اور اپنے والد محترم حضرت ابوالحسنات سید شاہ شجاع الدین علی صوفی قادری مدنی سے حاصل کیا۔ آپ نے اپنے خسر محترم پروفیسر سید شاہ لیاقت حسین قادری صدر شعبہ عربی جامعہ عثمانیہ سے بھی تصوف اور دیگر علوم میں استفادہ کیا۔ آپ نجیب الطرفین سادات تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب ۲۳ رویں پشت میں حضرت غوث الاعظم سے جا ملتا ہے، اسی لیے آپ حسنی و حسینی قادری ہیں۔

مولانا محترم کے ہزاروں شاگرد دنیا کے مختلف ممالک میں چارٹرڈ اکاؤنٹینٹ، ایڈوکیٹس، سرکاری عہدہ دار اور کئی کالجوں میں بحیثیت لکچرر خدمات انجام دے رہے ہیں۔ مولانا کی خصوصیت یہ تھی کہ جس طرح آپ اردو میں خیالات کا اظہار کرتے تھے اسی طرح انگریزی میں بھی بے تکان روانی کے ساتھ اظہار خیال کرتے تھے، جس سے اہل زبان بھی انگشت بدنداں ہو جاتے۔

مولانا کی زندگی قرآن شریف و حدیث شریف کا آئینہ تھی۔ آپ صبر و استقامت، حلم و بردباری انکساری مشفق کے ساتھ عزم و ارادہ کے عظیم پیکر تھے۔ سینکڑوں ضرورت مند روزانہ آپ سے رجوع ہوتے اور فیضاب ہوتے۔ بلا جماعتی وابستگی ہر فرد آپ کے بیانات سننے کا متمنی رہتا۔ ایسے عاشق رسولؐ تھے کہ جب بھی سرکار دو عالم کا اسم مبارک زبان پر آتا تو آپ کی آنکھیں اشکبار ہو جاتی تھیں۔ اشاعت دین کے لیے آپ کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ بسا اوقات آپ کو اسی سلسلہ میں طویل سفر کی مصیبتیں برداشت کرنی پڑتی، لیکن آپ کے پائے استقامت میں کبھی لغزش نہیں آئی۔ وقت کی پابندی آپ کی زندگی کا اہم خاصہ تھا۔ ہمیشہ وقت مقررہ سے قبل ہی آپ پہنچ جایا کرتے تھے۔

شمیم مشتاق۔ پورہ معروف مئو (یوپی)

زندگی اور سیاست

زندگی بھی عجیب تماشا ہے
کبھی آشنا کبھی نراشا ہے

انسانی زندگی کے ہزار رنگ ہیں۔ زندگی میں کبھی خوشی کے پل آتے ہیں تو کبھی غمی کے بادل زہریلے سانپ کے مانند ہمارے سروں پر منڈلاتے رہتے ہیں۔ کبھی زندگی خوشی اور محبت کے نغمے سناتی ہے تو کبھی نفرت کے زہر پینے پر مجبور کرتی ہے۔ کبھی دشمن کو دوست بناتی ہے تو کبھی دوست کو دشمن، کبھی اکثریت اور اقلیت کے درمیان تنازع کھڑا کرتی ہے، تو کبھی ذات پات، مذہب اور علاقہ کی بنیاد پر دو دلوں اور ملکوں کا بٹوارہ کرتی ہے۔ کبھی زندگی ظالم بادشاہ کے زیر سایہ جینے پر مجبور ہوتی ہے، تو کبھی عادل بادشاہ کا دور بھی دکھاتی ہے۔

زندگی نام ہے محبت والفت کا، زندگی کا کام ہے دو دلوں کو جوڑنے کا، زندگی نام ہے مرمر کے جیتے جانے کا، مگر نہ جانے کیوں لوگ زندگی کو بنانے اور سنوارنے کے چکر میں اپنا ایمان تک بیچنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ آخر زندگی میں رکھا کیا ہے؟۔ انسان اپنی ساٹھ ستر سالہ زندگی کے لیے اور اس مادی جسم کی آرام وآسائش کے لیے ہر طرح کی تگ ودو کرتا ہے، لیکن وہ بات سے بے خبر ہی رہتا ہے کہ اس کا مادی جسم آخر ایک دن فنا کا شکار ہو جائے گا۔ لوگ عمدہ زندگی کی تلاش میں دوست کو دشمن کیوں بناتے پھرتے ہیں؟ ایک دوسرے کے خلاف نفرت کے زہر کیوں اگلتے ہیں؟ ہر ایک دوسرے کی جان لینے پر کیوں تلا ہے؟۔ اگر کوئی جماعت سماج میں پھیلی ہوئی برائیوں کو روکنے کی سعی کرتی ہے یا کسی مثبت تبدیلی کی بات کرتی ہے تو اس کو تمام طرح کی طعن وتشنیع کا سامنا کرنا پڑتا ہے، جب کہ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ ہم سبھی ان کے اس مشن میں مشیر کار کی حیثیت سے دلچسپی لیتے، لیکن ہم انہیں قدروں کو پہچان نہیں سکے اور یہی ہمارے موجودہ معاشرے کا المیہ ہے، جہاں زندگی اور موت کے درمیان جنگ بپا ہے، جو سماج کے ہر فرد کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے ہیں، اکثر لوگ اس میں ملوث ہیں، اس لیے کہ معاشرے میں درآئی خرابیوں کا سیدھا دخل اندازی کا ہے۔ سماج کا سیاست سے ایک اٹوٹ رشتہ ہے، جس کو ختم کرنا ایک دوسرے کے وجود پر حملہ ہے، اسی لیے سماج کا ہر فرد شعوری اور لاشعوری طور پر سیاست کے زرغے میں پھنس ہی جاتا ہے، بلکہ یوں کہا جائے کہ موجودہ سیاست ایک ایسا زہر ہے جو سماج کو زہریلا بنا دیتی ہے۔ سماج کا کوئی خطہ سیاست کی دسترس سے باہر نہیں ہے۔ تعلیمی ادارے ہوں، یا عدالت عظمی، مندر، مسجد ہو یا مدرسہ، گرجا گھر ہو یا گرودوارہ، ہر جگہ سیاست اپنا اثر رکھتی ہے۔ جب کسی معاشرے وقوم کے تعلیمی ادارے اور مذہبی جگہیں سیاست کے زیر سایہ ہوں گی، تو سماج میں بگاڑ لازمی ہے، چونکہ سماج کو بنانے اور بگاڑنے میں ان اداروں کا بہت رول ہے۔ بقول علامہ اقبال۔

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ

بہر حال اگر انسانی زندگی کا گہرائی سے مطالعہ کیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ سیاست نے انسانی زندگی کو حیوانی زندگی میں تبدیل کر کے رکھ دیا ہے۔ سماج کا ہر فرد سیاست کے چولے میں پھنس کر ایک دوسرے کی زندگی سے کھلواڑ کر رہا ہے۔ سیاسی لیڈران انہیں کی زندگی کو زینہ بنا کر تخت وتاج حاصل کرتے ہیں، پھر یہی لوگ ان کے داد وانصاف کا بہ بانگ اعلان بھی کرتے ہیں اور فریبی بن کر ان کی زندگی کے محافظ اور مسیحا بھی بن جاتے ہیں۔ بقول کلیم عاجز۔

دامن پہ کوئی چھینٹ نہ خنجر پہ کوئی داغ
تم قتل کرو ہو کہ کرامات کرو ہو

میں سوال کرتا ہوں ان سے جو بہتر زندگی کے دھن میں کسی کی زندگی کو ہی داؤ پر لگا دیتے ہیں، آخر کب تک یوں ہی زندگی کو برباد کرتے رہو گے اور کب تک دوسروں کی باتوں میں آ کر اپنے ہی ہم وطن کے ساتھ غیر اخلاقی اور غیر انسانی رویہ روا رکھو گے۔ اگر زندگی کو بنانے اور سنوارنے کا اتنا ہی شوق ہے تو پہلے زیور تعلیم سے آراستہ ہوں، اس لیے کہ تعلیم وہ ہتھیار ہے جس نے زوال پذیر قوم کو عروج بخشا ہے اور جو قوم تعلیم پر پوری توجہ دیتی ہے، تو پھر دنیا اسے سلام کرتی ہے۔

اصناف شاعری میں صنفِ غزل آج بھی اردو شاعری کی جان ہے: پروفیسر مظفر علی شہ میری

''اردو کی شعری اصناف'' پر گورنمنٹ ڈگری و پی جی کالج حسینی علم میں دو روزہ قومی اردو سمینار

حیدرآباد: گورنمنٹ ڈگری و پی جی کالج حسینی علم حیدرآباد میں دو روزہ قومی سمینار بعنوان ''اردو کی شعری اصناف'' قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان اور اردو اکیڈیمی تلنگانہ اسٹیٹ کے اشتراک سے منعقد ہوا۔ سمینار کے مہمان خصوصی پروفیسر مظفر علی شہ میری وائس چانسلر مولوی عبدالحق یونیورسٹی اے پی تھے۔ جنہوں نے کلیدی خطبہ بھی دیا۔ سمینار کے مہمانان اعزازی جناب رحیم الدین انصاری صاحب صدر نشین تلنگانہ اردو اکیڈیمی' ڈاکٹر نعمان صاحب صدر نشین اے پی اردو اکیڈیمی' پروفیسر محمد ظفر الدین ڈائرکٹر شعبہ ترجمہ مولانا آزاد اردو یونیورسٹی' ڈاکٹر معید جاوید صدر شعبہ اردو عثمانیہ یونیورسٹی' پروفیسر فضل اللہ مکرم شعبہ اردو یونیورسٹی آف حیدرآباد' ڈاکٹر مسرت جہاں اسسٹنٹ پروفیسر اردو یونیورسٹی آف حیدرآباد' محترمہ قمر جمالی نامور افسانہ نگار' محترمہ نفیسہ خان نامور ادیبہ اور جناب مختار احمد فردین صدر اردو پیس سوسائٹی حیدرآباد تھے۔ ڈاکٹر محمد عبدالقدوس کنوینر سمینار نے مہمانوں' اساتذہ ریسرچ اسکالرز اور شرکائے سمینار کا خیر مقدم کیا۔ اور حسینی علم ڈگری و پی جی کالج میں چل رہی اردو سرگرمیوں اور تعلیمی ترقی کا ذکر کرتے ہوئے قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان اور تلنگانہ اسٹیٹ اردو اکیڈیمی سے اظہار تشکر کیا کہ شہر اردو حیدرآباد کے اس قدیم کالج میں اردو سمینار کے انعقاد کا موقع فراہم کیا۔ ڈاکٹر مسرت جہاں نے اپنے خطاب میں اردو شاعری کی مختلف اصناف کی اہمیت بیان کی اور کہا کہ شعرائے اردو نے ہیئت کے مختلف تجربے کرتے ہوئے اظہار خیال کے پیمانے بنائے جس پر اردو شاعری کا کارواں سفر کر رہا ہے۔ پروفیسر محمد ظفر الدین اردو یونیورسٹی نے اپنے خطاب میں کہا کہ اردو کی شعری اصناف موضوع پر سمینار منعقد کرنا خوش آئند بات ہے کیوں کہ ان دنوں ہر کوئی نثر اور فکشن پر بات کر رہا ہے اور شاعری کے فنی تقاضوں سے نئی نسل کو آگاہ کرنے کی جانب توجہ نہیں دی جا رہی ہے انہوں نے امید ظاہر کی کہ یہ سمینار کالج کی طالبات کے لیے اردو شاعری کی مختلف اصناف کے فنی تقاضوں سے واقفیت کا موقع فراہم کرے گا انہوں نے کالج کی طالبات کو مشورہ دیا کہ وہ مولانا آزاد اردو یونیورسٹی کے مختلف شعبوں کے پی جی کورسز میں داخلہ لیں اور اردو سے اعلیٰ تعلیم کے مواقع سے استفادہ کریں۔ محترمہ قمر جمالی نے سمینار کے انعقاد کا خیر مقدم کیا اور کہا کہ ہر زمانے میں شاعری عوام میں مقبول رہی ہے اور غزل نے اپنے اظہار کی قوت سے بھرپور استفادہ کیا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ نئی نسل شعری جہات سے واقفیت رکھے اور اظہار خیال کی کوشش کرے۔ ڈاکٹر معید جاوید صدر شعبہ اردو عثمانیہ یونیورسٹی نے کنوینر سمینار اور کالج انتظامیہ کو مبارکباد دی کہ پرانے شہر کے اس قدیم کالج میں اردو کا قومی سمینار کا انعقاد خوش آئیند بات ہے۔ انہوں نے کالج کی طالبات کو مشورہ دیا کہ وہ اس سمینار کے مختلف اجلاسوں میں پیش ہونے والے مقالوں سے استفادہ کریں اور خود بھی تحقیقی مضامین لکھنے کی کوشش کریں۔ ڈاکٹر فضل اللہ مکرم پروفیسر یونیورسٹی آف حیدرآباد نے کالج کے انتظامیہ اور طالبات کو مبارک باد دی کہ اس سمینار کے حوالے سے ان کے ہاں ایک یونیورسٹی کے وائس چانسلر پروفیسر مظفر شہ میری' دو دو اردو اکیڈیمیوں کے صدور نشین' مختلف جامعات کے اساتذہ' نامور فکشن نگار قمر جمالی اور نفیسہ خان جیسی شخصیات موجود ہیں انہوں نے طالبات کو مشورہ دیا کہ آج بات کرنے تو سب کو آتا ہے لکھنا نہیں آتا انہوں نے کہا کہ اگر ہم لکھنے کی کوشش کریں تو اچھے افسانہ نگار' انشائیہ نگار ادیب اور شاعر بن سکتے ہیں۔ انہوں نے سمینار کے انعقاد پر عبدالقدوس اور دیگر کو مبارکباد پیش کی۔ ڈاکٹر عسکری صفدر سابق پرنسپل حسینی علم ڈگری کالج نے سبھی مہمانوں کا شکریہ ادا کیا کہ اس سمینار میں انہوں نے آ کر طالبات کی حوصلہ افزائی کی۔ انہوں نے کہا کہ حسینی علم ڈگری کالج میں ایم اے اردو کا شعبہ فعال ہے اور اس کالج سے کئی ہونہار طالبات نے اردو تعلیم حاصل کی ہے۔ بقیہ ص:

رجسٹرڈ نمبر: 2012/885

سہارا ویلفیئر سوسائٹی حیدر آباد

پلاٹ نمبر 12 سنجیویا کالونی سکھ و پلیج سکندر آباد 50009

دیہاتوں میں مساجد اور امام و معلم کے لیے مالی اعانت کی اپیل

الحمدللہ ہم کئی سال سے صرف رضائے الٰہی وفلاح آخرت کے جذبہ کے تحت اسلام اور مسلمانوں کی خاموش خدمت کرتے آرہے ہیں۔ ہماری ٹیم شہر حیدرآباد کے اطراف واکناف تقریباً ۵۰ کیلومیٹر پر چھوٹے چھوٹے دیہات، جس میں ۱۵ تا ۳۰ مکانات مسلمانوں کے ہیں، وہاں پر مسجد نہیں اور اگر ہے تو وہاں نماز نہیں ہورہی ہے، کیوں کہ وہاں امام و معلم نہیں ہیں، غربت کی وجہ سے ایک امام کی تنخواہ نہیں دے سکتے، جس کی وجہ سے بچوں کی تعلیم وتربیت بھی نہیں ہورہی ہے۔ ایسی صورت میں شہروں میں رہنے والے اہل خیر کی دینی واخلاق ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی جانب سے ایک امام کی تنخواہ کی ذمہ داری لیں۔ شہروں میں تو عالیشان مساجد ہیں، جس کے لیے دل کھول کر خرچ کیا جارہا ہے، اس سے بھی زیادہ دیہاتوں میں خرچ کرنے کی ضرورت ہے۔ دیہاتوں میں مساجد کی تعمیر ایمان کی حفاظت کا باعث ہے۔ بعض دیہات جہاں مسجد نہیں، وہاں موذن کی اذان سننے کے لیے کان ترس رہے ہیں، ایسی جگہوں پر ایمان کی حفاظت کے اسباب پیدا کرنے اور بچوں کی دینی تعلیم وتربیت کی سخت ضرورت ہے۔ دیہاتوں میں مسلمان اور مومن کی پہچان ضروری ہے۔ بعض دیہات آج بھی مساجد سے محروم ہیں۔ ان دیہاتوں میں مسجد نہ ہونے کی وجہ سے دیہاتی مسلمان غیروں کی خوشنودی کے لیے دیگر جگہوں کو اہمیت دے رہے ہیں اور غیر اللہ کی عبادت کررہے ہیں۔ وقت کی ضرورت ہے کہ ان دیہاتوں میں ان پڑھ اور غریب کو جو صرف تیلگو زبان سے واقف ہیں، انہیں عربی، اردو سے واقف کرایا جائے تاکہ ان کے دین وایمان کی حفاظت ہوسکے۔ اس لیے ہم کو چاہئے کہ محنت کی کمائی ہوئی دولت کو بے جا اسراف وخرافات پر خرچ کرنے کے بجائے دیہاتی مساجد کی تعمیر میں لگائیں۔ یہ مسجدیں قیامت کے دن ایسے مخلص لوگوں کے دین وایمان کی گواہی دیں گی۔ دیہاتوں کے ایمان کے تحفظ کے لیے جدوجہد عملاً مسلسل اور منصوبہ بند اقدمات کی ضرورت ہے۔ دیہاتوں میں مساجد کی تعمیر ومرمت کی تکمیل کے علاوہ رمضان میں کھجوروں، دال اور بقر عید کے موقع پر ہر دیہات میں ایک بڑا جانور قربانی کے لیے دیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ دیہاتوں میں زکوٰۃ کا بھی نظم ہے، جہاں غریب مستحق نادار بیواؤں کی بھی مدد کی جاتی ہے۔ سالانہ امداد کے علاوہ شادی بیاہ اور مستحقین کی امداد کی جاتی ہے۔ جہاں پانی نہیں وہاں بورویل کا بھی نظم کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ بینک کے سود کی رقم بھی لے کر طہارت خانے تعمیر کررہے ہیں۔ اس لیے یہاں امداد کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ بڑا اجر دینے والا ہے، ایسی جگہ کام کرنے والوں کو مالی اعانت کرکے اپنا ایمان وروحانی جذبہ پیش کریں۔

یہ سب کام اللہ کے فضل وکرم سے ملت کے مخلص اصحابِ خیر کے تعاون سے خاموشی سے انجام دیا جارہا ہے۔ ہم ابھی تک الحمدللہ ۳۵ مساجد کی تعمیر کرچکے ہیں اور ان میں امام وموذن کی تنخواہوں کا بھی انتظام کررہے ہیں اور کئی جگہوں پر کام جاری ہے اور کئی جگہوں سے تقاضا بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری ایمانی قوت، دینی جذبہ کو شرفِ قبولیت اور اجر عظیم سے نوازے۔ آمین۔

نوٹ: ہم تمام اہل خیر حضرات سے گزارش کرتے ہیں کہ آپ ہمارے اس کام کو ایک مرتبہ ضرور دیکھیں اور شامل ہوجائیں۔ عنداللہ ماجور ہوں گے۔

رابطے کے لیے: صدر رئیس اقبال (انجینئر) 9959746500۔ نائب صدر: سید خلیل 8142506301

سید شجیع الدین ٹریزیر 9703936440۔ محمد ریاض اللہ خان ایڈوائیزر 9849475561

عبدالقادر پٹیل جوائنٹ سکریٹری 9849468571۔ اعظم اعظمی فینانسیل ایڈوائزر 9705553745

افکار وخواطر

ماہنامہ صدائے شبلی میں ہر ماہ ادارے کی طرف سے کتاب پر تبصرہ کیا جائے گا،اس لئے مصنفین ،مولفین اور مرتبین سے گزارش ہے کہ وہ تبصرے کے لئے دو عدد کتابیں ضرور ارسال کریں۔(ادارہ)

نام کتاب: افکار وخواطر

مؤلف: ڈاکٹر محمد فضیل ندوی

مبصر: ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی

صفحات: ۲۳۲

قیمت: ۲۰۰/روپے

ملنے کا پتہ: الہدی بک ڈسٹری بیوٹرس، پرانی حویلی حیدرآباد

رفیق محترم ڈاکٹر محمد فضیل ندوی نوخیز محقق ہیں ان کی پہلی تصنیف افکار وخواطر کے نام سے جلد ہی شائع ہوئی ہے،اس کتاب میں جو مضامین شامل ہیں وہ متنوع موضوعات کا احاطہ کرتے ہیں۔انہوں نے اس کتاب کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا ہے۔حصہ اول اسلامیات کے متعلق ہے۔جس میں مقصد زندگی معراج،نماز،روزہ،حج،قربانی، وراثت، رواداری، تعدد ازواج جیسے موضوعات ہیں۔ حصہ دوم سماجیات سے متعلق ہے۔اس میں ساس بہو تعلقات،جہیز،اخوت،غیبت،تعلیم سے متعلق مضامین شامل ہیں۔تیسرے حصے میں ادبیات کے ذیل میں

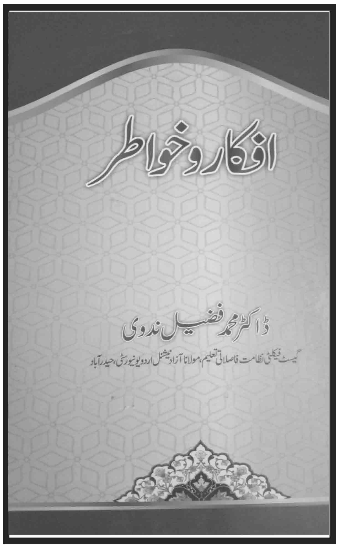

عربی زبان کی تدریس، سائنس کے فروغ میں عربی زبان کی اہمیت، کتب بینی،کتب خانہ، تعلیمی ادارہ ،قرآن اور سیرت پر منعقد ہونے والے سیمیناروں کی روداد پر مضامین ہیں۔ چوتھے حصے میں کچھ شخصیات کی خدمات بیان کی گئی ہیں اور پانچویں حصے میں چند کتب پر تبصرہ کیا گیا ہے۔مضامین طوالت حشو وزوائد سے پاک ہیں تقریباً ہر مضمون میں مصنف کے دردمندی فکرمندی کا احساس ہوتا ہے، جس میں خواص اور عوام دونوں کے دلچسپی کے بہت سے علمی سامان موجود ہیں۔ڈاکٹر محمد فضیل ندوی نے ان مضامین میں جو مختلف شاعروں کے اشعار نگینے کی طرح جڑے ہیں اس سے مضمون میں فکری اور فنی لطافت پیدا ہوگئی ہے۔کتاب کا بیشتر حصہ

مدرسہ اسلامیہ نجم العلوم (اقامتی وغیر اقامتی ادارہ)

شاہی ہلز شاہین نگر حیدرآباد

زیر انتظام : شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ حیدرآباد

Ac No: 1327104000065876 Bank Name: IDBI
Ac N: SHIBLI INTERNATIONAL ADUCATIONAL AND CHARITABLE TRUST
IFS: IBL0001327. Branch: Charminar Hyderabad (T.S)

بانی وناظم: مولانا ڈاکٹر مفتی محمد محامد ہلال اعظمی۔موبائل: 9392533661

سلیس سادہ اور کمپوزنگ کے اغلاط سے پاک ہے، جہاں ضرورت محسوس کی انہوں نے تو وہاں پر صنائع وبدائع کا استعمال قلم برداشتہ کردیا ہے۔ بندہ ناچیز شبلی نیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ حیدرآباد کی جانب سے ڈاکٹر محمد فضیل ندوی کو صمیم قلب سے مبارکباد پیش کرتا ہے اور قارئین سے یہ گذارش کی جاتی ہے اس کتاب کا مطالعہ ایک مرتبہ ضرور کریں تاکہ مصنف کے سوز دروں کا احساس آپ کو بھی ہو۔

جامعۃ البنات الاصلاحیۃ حیدرآباد (ملک پیٹ)

لڑکیوں کی اعلیٰ دینی وعصری تعلیم کا فکری واصلاحی معیاری مرکز

شعبہ جات: تحفیظ القرآن الکریم ★ شعبہ ابتدائیہ (دو سال) ★ شعبہ عالمیت (چار سال) ★ شعبہ فضیلت (دو سال)

☆ شہر سے اہم مقامات سے آمد ورفت کی سہولت ☆ دور دراز کی طالبات کے لیے ہاسٹل کا نظم ☆ عثمانیہ یونیورسٹی سے میٹرک تا ایم۔اے امتحانات دلوانے کا نظم

لڑکیوں کے لیے قرآن، حدیث، فقہ، ادب، سیرت، تاریخ کے علاوہ انگریزی زبان کے اعدادیہ تا فضیلت چھ سال تعلیم کا بہترین نظم ہے

رابطے کے لیے پتہ:

JAMIATUL BANAT AL-ISLAHIYAH
#16-3-993/1, NEAR DAWN HIGH SCOOL
OFFICERS COLONY, NEW MALAKPET,
HYDERABAD(T.S) INDIA 500036

نصب العین: انقلاب بذریعہ تعلیم قرآن وسنت کی گہری بصیرت، شہادت حق، احیائے دین کی استعداد اور امت کے لیے داعیانہ، مجاہدانہ اور قائدانہ کردار کی حامل "المرأۃ الصالحۃ" ٹیم کی تیاری۔

☆ شعبہ تحفیظ القرآن اور شعبہ ابتدائیہ وعالمیت کے پہلے سال میں داخلے سال بھر جاری رہیں گے۔ اعلیٰ دینی تعلیم کے حصول کے خواہشمند سرپرست حضرات سے اپنی لڑکیوں کے ہمراہ جلد رجوع ہونے کی خواہش کی جاتی ہے۔

جامعۃ البنات الاصلاحیۃ حیدرآباد کا استحکام وقت کا اہم تقاضہ اور ملی فریضہ ہے۔ اس اہم مرکز کی تعمیر وترقی ک لیے مالی اور اخلاقی تعاون فرما کر ہمارے حوصلے کو قائم رکھیں۔

ناظم: مولانا عبدالعلیم اصلاحی
موبائل 9676202819

DR. S.J HUSSAIN
MD (Unani)
Former director Incharge
Central Research Institute Of Unani Medicine
Govt of India

website: www.unanicentre.com
Email:syedjalilhussain@gmail.com
jaleel_hussain@yahoo.com

Dr. Jaleel's

یونانی سینٹر فار کارڈیک کیر

UNANI CENTER FOR CARDIAC CARE

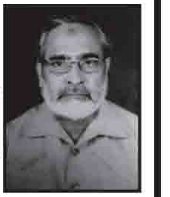

Consultation Time
Morning:11:00 am to 2:30 pm-Evening:7:00 pm to 9:30 pm
(Friday Morning and Sunday Evening Closed)

Cell:
+91 8142258088
+91 7093005707

Adress -: No: 8-1-332/3/B-69, RoadNo 1(A)Arvind Nagar Colony Tolichowki Hyderabad - 500008 T.S India